قیمت: چار روپے

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

صدیق ابراہیم صدیق علی

رمزی احمد یوسف

شیخ عمر عبدالرحمان

دنیا کا ذہین ترین مسلم انقلابی

رمزی یوسف گرفتار

ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں دھماکے کا ایک منظر

فسادات بھڑکا کر ترپردیش کو لہولہان کرنے کی

بی جے پی کی سازش ناکام

اس شمارے میں

اس کے علاوہ دیگر بہت سے اہم موضوعات اور مستقل کالم

Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price	Country	Price
AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

پولس فورس میں مسلمانوں کی بہتر نمائندگی کیوں نہیں ہے؟

سابق پولس کمشنر جولیو ریبرو پولس میں کم ہوتی مسلم نمائندگی کا جائزہ لے رہے ہیں

دوسال قبل بمبئی میں فرقہ وارانہ فسادات کے بعد پولیس فورس میں مسلمانوں کی بھرتی کا سوال ذمہ دار مسلم لیڈروں اور پولیس سربراہوں میں شدت کے ساتھ اٹھا تھا، یہ کوئی نیا مطالبہ نہیں ہے پولیس میں مسلمانوں کی بہتر نمائندگی کا معاملہ اس وقت بھی اٹھا تھا جب میرٹھ اور دوسرے مقامات پر ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں پی اے سی نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کی یہ عام شکایت ہے کہ پولیس فرقہ وارانہ جذبات سے کام لیتی ہے اس لئے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ پولیس فورس میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی ہو اور مسلمانوں کی مقامی آبادی کے تناسب سے ان کی بھرتی ہونی چاہئے۔ بمبئی میں مسلمان کل آبادی کا پندرہ فیصد ہیں جب کہ پولیس فورس میں ان کی نمائندگی تین فیصد سے زائد نہیں ہے۔

آزادی سے قبل پولیس میں مسلمانوں کی بہت اچھی نمائندگی تھی مسلمان پولیس کی ملازمت کو پسند کرتے تھے اور اس محکمے میں ان کا کام بھی بہتر تھا خصوصا جرائم کی تحقیقات میں ان کی کارکردگی بہت عمدہ ہوتی تھی۔ مگر تقسیم کے بعد حالات بدل گئے۔ انتظامیہ کی سطح پر مسلمانوں کی پولیس میں بھرتی کے تئیں ایک خود ساختہ جھجک در آئی اور مسلم نوجوانوں میں بھی اس احساس کے تئیں ایک جھجک پیدا ہوگئی کہ پتا نہیں ان کو پولیس فورس میں لیا بھی جاتا ہے یا نہیں۔

اس کے علاوہ نئے حالات کے تقاضے بھی دوسرے ہوگئے ہیں آزادی سے قبل جہاں ایک دم ان پڑھ اور غریب خاندان کے لوگ پولیس فورس میں آجاتے تھے اب اسی عہدے کے لئے بہتر تعلیم ناگزیر ہوگئی ہے اب ایک کانسٹبل کی تقرری کے لئے سکینڈری اسکول کی سرٹیفکیٹ لازمی شرط ہے اور برسوں سے اس پر عمل آوری ہورہی ہے، اسی طرح سب انسپکٹر کے عہدے کے لئے گریجویٹ ہونا ضروری ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مسلم نوجوانوں کے لئے مقابلہ سخت ہوگیا ہے۔

اسی طرح اعلی پولیس ملازمتوں جیسے اسٹیٹ سروس اور انڈین پولیس سروس میں بھرتی پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ہوتی ہے اور وہ مقابلے میں بیٹھنا ہوتا ہے کوئی بھی اس کی شکایت نہیں کرسکتا کہ فلاں فرقے کے ساتھ زیادتی یا فلاں فرقے کی بیجا حمایت کی جارہی ہے۔ پولیس فورس میں مسلمانوں کی کم نمائندگی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلم نوجوان لڑکے یا لڑکیاں ان مقابلہ جاتی امتحانات میں شریک ہی نہیں ہوتے۔

بنیادی تعلیم کی کمی کی بنا پر مسلمانوں کی بہتر نمائندگی پولیس فورس میں نہیں ہوپاتی اور وہ کانسٹبل یا سب انسپکٹر بھی نہیں بن پاتے زبان کا مسئلہ الگ ہے اگر کوئی مسلم نوجوان مہاراشٹر میں مراٹھی یا تمل ناڈو میں تامل زبان نہیں بول سکتا ہے تو ایک لازمی شرط پوری کرنے سے وہ قاصر رہ جاتا ہے۔ پولیس کے تمام کام مقامی زبان میں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ عدالت میں بھی مقامی زبان چلتی ہے اور جب تک کہ عوامی سطح پر کام کرنے والا سب انسپکٹر یا کانسٹبل اس مقامی زبان سے واقف نہیں ہوتا اس کی خدمات پولیس محکمے کے لئے معمولی بلکہ صفر ہوکر رہ جاتی ہیں۔

اگر مسلم لیڈر چاہتے ہیں کہ پورے ملک میں مسلمانوں کی پولیس میں بہتر نمائندگی ہو تو انہیں مسلم لڑکے اور لڑکیوں کی بنیادی تعلیم کی طرف خاصی توجہ دینی چاہئے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے نوجوان مقامی زبان میں کام کرنے کا بہتر تجربہ حاصل کریں، اس مقصد کے لئے اسپیشل کلاسز بھی لگائی جاسکتی ہیں۔ وہ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ ان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مقامی روزگار ایکس چینج میں اپنا رجسٹر کروائیں۔ کیونکہ قانون کی رو سے انہیں لوگوں کو امیدوار تسلیم کیا جاتا ہے جو ان ایکس چینج کے حوالے سے آتے ہیں۔

اگر مسلم لیڈر چاہتے ہیں کہ پورے ملک میں مسلمانوں کی پولیس میں بہتر نمائندگی ہو تو انہیں مسلم لڑکے اور لڑکیوں کی بنیادی تعلیم کی طرف خاصی توجہ دینی چاہئے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے نوجوان مقامی زبان میں کام کرنے کا بہتر تجربہ حاصل کریں۔ اس مقصد کے لئے اسپیشل کلاسز بھی لگائی جاسکتی ہیں۔ وہ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ ان کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مقامی روزگار ایکس چینج میں اپنا رجسٹر کروائیں۔

کیونکہ قانون کی رو سے انہیں لوگوں کو امیدوار تسلیم کیا جاتا ہے جو ان ایکس چینج کے حوالے سے آتے ہیں۔ بھرتی میں بد عنوانی کے معاملے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پولیس رہنماؤں کو چاہئے کہ وہ افسران پر مشتمل بورڈ کے ذریعہ لوگوں کی بھرتی کے کام میں ہونے والی بد عنوانی کو ختم کروانے کا ایسے اقدامات کریں کہ ان میں کمی واقع ہو یہاں تک کہ

کانسٹبلری کی بھرتی میں بھی انہیں ایسا کرنا چاہئے۔ کمیونٹی کے بڑے لوگوں کو چاہئے کہ وہ بھی بھرتی کے کام کا جائزہ لیں تاکہ فرقہ وارانہ پالیسیوں کے عمل دخل کی بناء پر بورڈ کے ذریعہ کامیاب امیدوار کو مسترد کرنے کے بجائے اخلاقی دباؤ ڈال سکیں۔

بمبئی میں کچھ ذمہ دار مسلم لیڈروں کے ذریعہ اس قسم کی کوششیں شروع کی گئی ہیں تاکہ پولیس فورس میں مسلم لڑکے اور لڑکیوں کی بھرتی زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔ ان کی کوششیں کامیاب بھی ہورہی ہیں۔ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ مستقبل قریب میں اس کے بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔ اگر ملک کے دوسرے حصوں میں بھی اس قسم کی کوششیں کی جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مقامی آبادی کے تناسب سے مختلف پولیس فورسز میں ان کی بہتر نمائندگی نہ ہوسکے۔

ہندوستان گردہ فروخت کرنے کی عالمی منڈی بن چکا ہے

بمبئی، حیدرآباد، بنگلور، چنڈیگڑھ، اور جے پور میں اب تک ساٹھ ہزار گردے بیچے جاچکے ہیں

تمل ناڈو کے 28 سالہ ویلو کو یوسف نامی ایک شخص یہ کہہ کر بنگلور لایا کہ تمہیں خلیج میں ملازمت دلوادیں گے۔ بنگلور آنے پر یوسف نے ویلو سے پھر کہا کہ جب تک نوکری نہیں ملتی تمہیں اپنا پیٹ تو پالنا ہی ہے۔ اس لئے تمہیں پیسے چاہئے۔ پیسوں کا انتظام فی الحال مشکل ہے اس لئے تم بلما داسپا اسپتال میں چل کر کچھ خون بیچ دو۔ کہا جاتا ہے کہ ویلو کو اسپتال میں بے ہوشی کی دوا سونگھا دی گئی۔ کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو پتہ چلا کہ اس کے شکم پر بھاری مرہم پٹی کی ہوئی ہے۔ ایک ہفتے کے بعد وہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ وہ خوش تھا کیونکہ اسے خون کے عوض پانچ ہزار روپے ملے تھے۔ لیکن اس کی خوشی زیادہ دن قائم نہ رہ سکی۔ چند دنوں کے بعد ایک ڈاکٹر نے اس گاؤں کا دورہ کیا تو اس نے ویلو کو بتایا کہ اس کا ایک گردہ غائب ہے۔ برافروختہ ویلو بنگلور واپس آیا اور پولیس میں اس کی شکایت درج کرادی۔

اسی سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ تمل ناڈو کے ہی ایک گاؤں کے 29 سالہ ناگیندر کا ہے۔ وہ بھی اپنا گردہ گنوا چکا ہے لیکن اس کیس میں چوری کا عمل دخل نہیں ہے۔ کیونکہ ناگیندر کا کہنا ہے کہ اس کا سودہ ایک ملیشیائی شیخ سے ہوا تھا۔ جسے گردہ کی ضرورت تھی، سودا 75 ہزار ڈالر میں طے ہوا تھا لیکن ناگیندر کو محض تیس ہزار روپے ملے۔ ناگیندر اب اس شیخ کا فوٹو اور اس کا پتہ لے کر پولیس اسٹیشن میں ٹہل رہا ہے اور ملیشیائی شیخ 25 ہزار ڈالر کے خرچ سے ناگیندر کا گردہ اپنے جسم میں لگوا کر اپنی زندگی کے شب و روز بڑھا چکا ہے۔

یہ کہانی بنگلور کے "گردہ بازار" کی ہے، وہاں کا وکٹوریہ اسپتال اس ناجائز ریکٹ کا مرکز بنا ہوا تھا اور اطلاعات کے مطابق بنگلور میں ایک ہزار گردے بیچے جاچکے ہیں۔ وکٹوریہ اسپتال میں برسر روزگار گردہ اسپیشلسٹ پروفیسر سنداراجو کا کردار بھی مشکوک ہے۔ وہ خلیج میں کافی دن رہ کر آئے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وکٹوریہ اسپتال میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد ہی سے وہ اس دھندے میں مصروف ہیں۔ زیادہ تر گردے خلیجی ممالک کے شیوخ کو بیچے گئے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق سعودی عرب کا ایک ڈاکٹر بھی اس میں ملوث ہے۔ ڈاکٹر سید علی جنہیں اس کیس میں پکڑا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ سعودی ڈاکٹر کو جانتے ہیں لیکن اس کا نام بتانے سے انکار کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سنداراجو جن کو پہلے پکڑا گیا پھر یہ کہہ کر ان کی ضمانت ہوگئی کہ وکٹوریہ اسپتال میں ان کی خدمات کی ضرورت ہے اب پولیس پھر ان کو گرفتار کرنے کی تیاری کررہی ہے۔ پولیس افسران کی ایک ٹیم ڈپٹی کمشنر خلیل الرحمن کی سرکردگی میں تشکیل دی گئی ہے جو سعودی عرب کا دورہ کرنے والی ہے۔

کچھ لوگوں کا الزام ہے کہ دھوکہ دیکر گردہ نکال لیا جاتا ہے لیکن ناگیندر کا کیس اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ گردہ بیچنے والے کی مرضی اس میں شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک بنگلور میں ایک ہزار گردے فروخت ہوچکے ہیں۔ چوری اتنے بڑے پیمانے پر نہیں ہوپاتی۔ یہ اطلاع سچ معلوم ہوتی ہے کہ گذشتہ چار برسوں میں ایک ہزار افراد اس دھندے میں ملوث رہے ہیں اور سب کی آپسی ملی بھگت سے یہ دھندہ چل رہا تھا۔ کیونکہ ویلو کے معاملے میں نیفرولوجی ایسوسی ایشن آف کرناٹک کا کہنا ہے کہ چوری کا الزام سراسر غلط لگتا ہے۔ اس کے ممبران کے

مطابق کسی بھی عضو کے نکالنے سے پہلے اس شخص کے سات سے دس دن تک مختلف ٹیسٹ کئے جاتے ہیں عضو نکالنے کے بعد اسے چند گھنٹے ہی رکھا جاسکتا ہے۔ اگر جلد از جلد مریض کے جسم میں اسے فٹ نہ کردیا جائے تو اس کی کارکردگی متاثر ہوجاتی ہے۔

یہ معاملہ اس لئے طشت از بام ہوگیا کہ اس ریکٹ میں ملوث ڈاکٹروں اور دوسرے ایجنٹوں نے ڈونرس کو پوری رقم نہ دیکر اپنی جیب زیادہ بھری۔ ڈاکٹر سید عادل احمد کا بھی کہنا ہے کہ گردہ فروخت کرنے والوں نے اس سے متعلق حلف نامے پر دستخط کئے ہیں۔

دراصل بنگلور میں ایک عرصے سے گردے کا کاروبار چل رہا ہے۔ چند سال قبل صرف ایک اسپتال ایسا تھا جہاں گردہ ایک جسم سے دوسرے جسم میں فٹ کیا جاتا تھا لیکن آج ایسے مراکز کی تعداد

باقی صفحہ 7 پر

ورلڈ ٹریڈ سینٹر کے دھماکے کے مشتبہ ملزم اور پر اسرار مسلم انقلابی

رمزی یوسف کی گرفتاری سے غلبہ اسلام کی عالمی تحریک ختم نہیں ہوگی

رمزی احمد یوسف جس کی تلاش میں امریکی پولس پچھلے دو سالوں سے سرگرداں تھی۔ بالآخر 7 فروری کو اسلام آباد کے ایک ہوٹل سے گرفتار کرلیا گیا۔ گرفتار کرنے والوں میں پاکستان پولس کے علاوہ امریکی فیڈرل بیورو آف انٹیلی جنس کے افسران بھی شامل تھے۔ رمزی یوسف پر الزام ہے کہ 26

رمزی یوسف 5 فروری بروز اتوار پاکستان آیا۔ ایف بی آئی اور انٹرپول کے اشارے پر اس کی فورا نگرانی شروع کردی گئی۔ دو دن کی نگرانی کے بعد پولس کو یقین ہوگیا کہ وہ مطلوبہ رمزی یوسف ہی ہے جو اپنی شخصیت کو چھپانے کے لئے مختلف نام استعمال کرتا ہے۔ رمزی اس فن میں ماہر معلوم ہوتا ہے۔

فروری 93 کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی عمارت میں بم دھماکے کا پلان اسی نے ترتیب دیا تھا۔ اس دھماکے سے 6 افراد ہلاک اور ایک ہزار سے زائد زخمی ہو گئے تھے۔ 110 منزلہ عمارت کو بھی کافی نقصان پہونچا تھا۔ ڈالر میں اس نقصان کی قیمت 50 کروڑ سے زیادہ لگائی گئی تھی۔

امریکیوں کے مطابق اس دھماکے کے فورا بعد رمزی احمد یوسف نیویارک سے فرار ہوگیا تھا۔ امریکی اس - یقین - کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ رمزی نیویارک سے سیدھے پاکستان آیا اور دو سال تک افغانستان اور عراق میں چھپتا پھرا۔ امریکیوں کے مطابق ادھر رمزی کا ظہور پوپ جان پال کے قتل کی سازش میں حصہ لینے کے لئے ہوا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس مقصد کے لئے منیلا بھی گیا تھا جہاں امریکیوں کے بقول ایف بی آئی کے ایجنٹ اسے پکڑنے ہی والے تھے کہ وہ انہیں چکمہ دیکر وہاں سے فرار ہوگیا۔

رمزی یوسف 5 فروری بروز اتوار پاکستان آیا۔ ایف بی آئی اور انٹرپول کے اشارے پر اس کی فورا نگرانی شروع کردی گئی۔ دو دن کی نگرانی کے بعد پولس کو یقین ہوگیا کہ وہ مطلوبہ رمزی یوسف ہی ہے جو اپنی شخصیت کو چھپانے کے لئے مختلف نام استعمال کرتا ہے۔ رمزی اس فن میں ماہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر پاکستان ایک اخبار دی نیوز کے مطابق پاکستان میں زیر تعلیم ساوتھ افریقہ کے ایک طالب علم اشتیاق پارکرنے پیسے کی لالچ میں مخبری کی جس کی وجہ سے یوسف گرفتار ہوسکا۔

رمزی کی گرفتاری کے بارے میں پاکستان وامریکہ سے متضاد بیانات سامنے آئے ہیں۔ پاکستان کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے پہلے کہا کہ وہ بالی ڈے ان سے گرفتار کیا گیا تھا۔ مگر جب امریکیوں نے اس سے صریحا انکار کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اسلام آباد کے ایک چھوٹے ہوٹل سے پکڑا گیا تھا۔ پاکستانی وزیر داخلہ نے پھر گرفتاری کی مزید تفصیلات بھی بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ رمزی عراق میں پیدا ہوا تھا اور اس وقت عراقی پاسپورٹ ہی پر سفر کر رہا تھا۔ مگر امریکیوں کا کہنا ہے کہ وہ کویت میں پیدا ہوا تھا اور پاکستانی پاسپورٹ پر سفر کرتا تھا۔ در اصل رمزی ایک ایسا نوجوان ہے جس کی شخصیت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے الا یہ کہ وہ خود ہی اس کا انکشاف کردے۔ در اصل وہ اردو عربی اور انگلش تینوں زبانوں پر قدرت رکھتا ہے اور یہ ساری زبانیں مادری زبان کی طرح بول سکتا ہے۔

رمزی منگل کے روز یعنی 7 فروری کو گرفتار ہوا اور اسی رات اسے ایک امریکی جہاز پر نیویارک کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس گرفتاری کے بعد صدر بل کلنٹن نے خود ایک بیان دیا جس میں گرفتار کرنے والوں کو انہوں نے مبارکباد دیتے ہوئے ان سب کا شکریہ ادا کیا۔ مگر جماعت اسلامی پاکستان کے ایک سینئر رہنما پروفیسر غفور احمد نے جس انداز سے رمزی کی گرفتاری کے فورا بعد اسے امریکہ کے حوالے کردیا گیا اس کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ تسلیمہ نسرین اور سلمان رشدی بھی مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کے مجرم ہیں۔ کیا انہیں بھی ایسے ہی پکڑ کر ایران یا بنگلہ دیش کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔

ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں بم دھماکے کا منظر اور انسیٹ میں رمزی احمد یوسف

> رمزی دراصل ان نوجوانوں کا نمائندہ ہے جن کے سینے میں ان طاقتوں کے خلاف ایک لاوا ابل رہا ہے جنہوں نے بوسنیا، چیچنیا، فلسطین اور فلپائن وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ بربریت کا سلوک کیا ہے۔ مسلم انقلابیوں کے نزدیک یہ مغرب کی عسکری وتہذیبی غلامی سے آزادی کی جنگ ہے اور ایک رمزی یوسف کی گرفتاری سے یہ جنگ ختم نہیں ہوئی۔ یہ اب بھی جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ امریکی اپنے رویے اور پالیسی میں مناسب تبدیلی نہیں کرتے۔

رمزی یوسف کی گرفتاری پر امریکہ نے دو ملین ڈالر کا انعام طے کر رکھا تھا ابھی تک یہ واضح نہیں ہوسکا کہ یہ انعام کسی کو دیا گیا ہے یا نہیں۔

27 سالہ یوسف پر نیویارک بم دھماکے سے متعلق 11 الزامات ہیں۔ ان الزامات کے ثابت ہونے کے بعد اسے بغیر پیرول کے عمر قید کی سزا ہوسکتی ہے۔ گذشتہ سال مارچ میں امریکہ کے بقول چار ملزموں کو 240 سال کی مضحکہ خیز سزا دی جاچکی ہے۔ ان چاروں پر رمزی یوسف کے ساتھ سازش میں شامل ہونے اور اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا الزام تھا۔

امریکی تفتیشی ادارے ایف بی آئی کے مطابق یوسف ستمبر 1992 میں امریکہ میں داخل ہوا اور 26 فروری کو بم دھماکے کے فورا بعد ملک سے فرار ہوگیا۔ اس نے اس وقفے کے دوران بم بنانے کا سارا سامان دھیرے دھیرے مختلف اسٹوروں سے خرید لیا۔ پھر جب اس نے بم بناکر نیویارک کی سب سے بڑی عمارت کو اڑانے کا پروگرام بنالیا تو اسی کے ساتھ ملک سے اپنے فرار کی بھی تیاری کرلی۔ چنانچہ دھماکے کے دو گھنٹے کے اندر ہی وہ ملک سے باہر تھا۔

امریکیوں کے مطابق رمزی کا خاص دوست عبدالرحمن یاسین ہے۔ جو ابھی تک فرار ہے۔ رمزی

باقی صفحہ ۱۳ پر

فسادات بھڑکا کر یوپی کو لہولہان کرنے کی شو سینا اور بی جے پی کی سازشیں ناکام

کیا ایک بار پھر اتر پردیش کے حساس شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے بھڑک اٹھیں گے؟ کیا ایک بار پھر قتل وغارت کی سیاہ تاریخ دہرائی جائے گی؟ کیا ایک بار پھر مراد آباد، میرٹھ، علیگڑھ، آگرہ، فیروز آباد اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں کو فرقہ وارانہ تشدد اور کرفیو کی زیادتیوں میں جکڑ دیا جائے گا؟ کیا ایک بار پھر بی جے پی فرقہ وارانہ جذبات کو مشتعل کر کے مسلمانوں کو لگنے والے زخموں کی یاد تازہ کردے گی اور کیا واقعی وہ اقتدار پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے اپنی پرانی گھناونی حکمت عملی کا احیاء کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟ مراد آباد کے ایک معمولی سے واقعہ کو فرقہ وارانہ رنگ دیکر بی جے پی کے شرپسند عناصر نے جس طرح چھ افراد کی جانیں لیں اور جس طرح رائے بریلی سنبھل ودوسرے شہروں میں کشیدگی پیدا کرنے کی خطرناک چالیں چلی گئیں ان کی روشنی میں مذکورہ سوالات کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔

متنازعہ کنواں جس کے اوپر اب پیاؤ بنا دیا گیا ہے۔

اگر دیکھا جائے تو معاملہ ایسا نہیں تھا کہ اس پر فرقہ واریت اور خونیں تشدد کا خول چڑھا دیا جاتا۔ مراد آباد کے مسلمان ایک پرانی مسجد کے نزدیک واقع ایک کنواں کو مسجد جسے کہتے ہیں کہ ایک ہندو زمیندار نے اپنے مسلم ملازموں کے لئے تعمیر کروائی تھی کے احاطے میں شامل کرنے کے لئے ایک دیوار کی تعمیر کررہے تھے۔ اگر کنواں متنازعہ تھا یا وہ مسجد کا حصہ نہیں تھا تو اسے آپسی گفت وشنید سے حل کیا جاسکتا تھا جیسا کہ بعد میں کیا گیا۔ لیکن شرپسند عناصر جو کہ کسی موقع کی تاک میں تھے۔ اس واقعہ کو اپنے لئے ایک گولڈن چانس سمجھ بیٹھے اور حالات کو فرقہ وارانہ رخ دیدیا۔ لوگوں کی بھیڑ لگنے لگی اور نعرہ بازی کے ساتھ ساتھ پتھرے بازی اور فائرنگ تک کی نوبت آگئی۔ پہلے دن دو افراد اس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ بعد میں ایک نوجوان کی اسپتال میں موت واقع ہوگئی اور پھر دو افراد کی زخم خوردہ لاشیں ملیں۔ حالات سدھرنے کے بعد ایک بار پھر اسے خراب کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ ہندو خواتین مذکورہ کنویں پر پوجا کرنے آگئیں جنہیں ہٹا کر صورت حال کو کنٹرول کیا گیا۔ تقریبا یہی صورت حال رائے بریلی میں بھی بن رہی تھی وہاں بھی ایک مسجد سے متصل زمین کو مسجد کے دائرے میں شامل کرنے کے لئے دیوار کی تعمیر ہورہی تھی۔ اطلاعات کے مطابق وہ زمین متنازعہ ہے اور ابھی تک وہاں دوسرے فرقے کے لوگ اپنی مختلف رسمیں ادا کرتے تھے۔ تعمیر کا کام شروع ہوا تو ایک پولیس انسپکٹر نے آکر اسے روکا لیکن اس وقت اطلاعات کے مطابق ایک دوسرے پولیس انسپکٹر نے جائے واقعہ پر آکر پہلے پولیس انسپکٹر کو مغلظات سنانی شروع کر دیں اور حالت اتنی نازک ہوگئی کہ عوام بھی دو فریقوں میں تقسیم ہوگئے۔ نعرہ بازی ہوئی اور کشیدگی میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ مراد آباد کے خونیں تشدد کی بو یہاں بھی محسوس کی جانے لگی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ مقامی انتظامیہ اور ریاست کے اعلی پولیس افسران نے ذمہ داری کا ثبوت دیا اور مراد آباد کے حادثے سے سبق لے کر یہاں حالات کو خراب ہونے سے قبل ہی قابو میں کرلیا۔ اور آپسی گفت وشنید سے معاملہ عدالت پر چھوڑ دیا گیا۔

> بی جے پی اس ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی ایک تو ملائم سنگھ کو فسادات کے دلدل میں پھنسانا اور دوسرے مسلمانوں سے ملائم کی حمایت کرنے کا انتقام لینا اور رمضان کے مقدس مہینے کو لہو کا غسل دیکر مسلمانوں کو ذہنی وجسمانی اذیتوں میں مبتلا کرنا تھا۔

مراد آباد میں خونیں تشدد اور رائے بریلی میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے پیش نظر شرپسند عناصر کی زبردست حوصلہ افزائی ہوئی اور انہوں نے دوسرے شہروں مثلا علی گڑھ، سنبھل، فیروز آباد، آگرہ، متھرا، میرٹھ، غازی پور، رامپور، رشی کیش اور فتح

باقی صفحہ ۱۳ پر

بوسنیا: مسئلہ کی حقیقت کیا ہے؟

مسلم کش جارحیت کی سربیائی اور کروشیائی سازش کا جائزہ

یوگوسلاویہ میں سوویت اثرات کے خاتمے اور کمیونزم کے ٹوٹنے سے پیدا شدہ خلاء سے دھماکہ کی صورت میں ابل پڑنے والی نسلی عداوتوں کی تاریخ سے مربوط پیچیدہ اور حیران کن جنگ محض نسلی عناد سے متصف کرنا گھسے پٹے فقرے کو دہرانے کے مترادف ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ بوسنیائی جنگ میں تاریخ ایک اہم عنصر ہے لیکن اسے قابو سے نکلتی ہوئی نسلی عداوتوں کی پیداوار قرار دے کر اس ملک کے دو نمایاں بد کرداروں "کارناموں" سے چشم پوشی کرنا بھی کوئی دانائی کی بات نہ ہوگی۔ ان دونوں کے نام میں سربیائی صدر سلوبودن میلوسویک اور بوسنیائی سرب لیڈر رزوان کرادزک۔ اس کے بعد ذرا کم حیثیت کے بد کردار کا نام آتا ہے یعنی کروشیا کے صدر۔

1830 میں جب سربیاؤں کے احتجاج کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے اس وقت کے عثمانی حکمراں نے وسیع سلطنت عثمانیہ کے اندر سربیا کو علاحدہ ریاست کا درجہ دیدیا تو اس ابتدائی کامیابی کے بعد میلوسویک اور کرارذک نے کمال ہوشیاری سے سوویت حکومت کے دوران سربیائی قوم پرستی کے ساکت تالاب میں کنکری پھینکی یہاں تک کہ اس کی ہلچل نے طوفانی شکل اختیار کرلی۔ اس مقصد کے لئے گذشتہ تاریخ، متنازعہ سرحدیں، پرانی جنگوں، مقتول سپاہی، سیاسی قتل یہ تمام حوالے موجودہ بوسنیائی جنگ کے اسباب سمجھنے میں مددگار ہوں گے۔ لیکن ان تفصیلات سے گمراہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگرچہ تاریخ اور قدیم نسلی عداوتیں اپنی جگہ پر مسلم ہیں لیکن جیسا کہ روزنامہ گارجین کے نامہ نگار ایڈولیامی کا یہ خیال درست ہے کہ گذشتہ کئی دہائیوں کی طرح آج بھی بوسنیا پر امن ملک کی طرح قائم رہتا اگر عیار، جابر فاشسٹ اور نسل پرست لیڈروں نے وہاں کے عوام کو نہ ورغلایا ہوتا۔

اس جنگ نے نئی دنیا کو حیرت زدہ کردیا ہے اور اسے غلط طور پر ناقابل فہم بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ درحقیقت یہ ہمارے عہد میں قرون وسطی سے تعلق رکھنے والی دو بڑی بالکن طاقتوں یعنی سربیا اور کروشیا کی طرف سے مابعد کمیونسٹ مشرقی یوروپ کے انتشار کے درمیان جدید ہتھیاروں کے ذریعے اپنی قدیم سرحدوں کو دوبارہ مستحکم کرنے کی خواہشوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جب ان دونوں طاقتوں کی خواہشوں کی سرحدیں باہم متصادم ہونے لگتی ہیں تو یا تو ان میں جنگ ہوتی ہے یا سمجھوتہ۔ دونوں صورتوں سے ایک تیسری قوم کا وجود ابھرتا ہے جو نہ تو ان دونوں سے ہم آہنگ ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کا تعلق سربیا یا کروشیا سے رہتا ہے اور جن کا تعلق نسلی طور پر مخلوط ملک سے ہے جو عظیم بالقان قوتوں کے وسط سے پیدا ہوا ہے۔ اس ملک کو بوسنیا کہتے ہیں بوسنیا میں سربیوں، کروشیاؤں اور تیسری قوم سلاوک مسلمانوں کی ساجھی داری ہے۔ 1346 کا واقعہ یہ ہے کہ ما بعد کمیونسٹ یوگوسلاویہ کی تباہ حال اقتصادی فضا میں سلوبودن میلوسوک نام کے پرجوش قوم پرست سربیائی نے اپنے دیگر ہم قوموں کو غیرت دلائی کہ وہ "عظیم سربیا" کے طول وعرض کو اس کی قدیم سرحدوں تک وسعت دیں۔ اگرچہ آج کے سربیاؤں کو اپنے قدیم جغرافیہ کا علم نہ تھا لیکن میلوسوک اور اس کے حامیوں نے جا بجا ایسے نقشے پیش کئے جس میں 1346 میں سربیائی حدود کو بشمول بوسنیا ہرزگونیا کے پورے بلقان خطے پر محیط دکھایا گیا۔ اسی دوران کروشیائی لیڈروں نے چند قدم آگے بڑھ کر بالقان خطے پر محیط کروشیائی حدود کے ڈانڈے 935 سے ملائے اور ان کے نقشے میں بھی بوسنیا ہرزگونیا کو کروشیائی زمین ثابت کیا گیا۔ یہ دونوں فریق بوسنیا ہرزگونیا کی ملکیت کے دعویدار تھے تو مختلف النسل تیسری قوم روایتی روادارانہ اور متواقع انداز پر قائم رہ کر ترقی کی راہیں طے کرتی رہی۔ اس طرح سراجیو ایسا کاسمو پولیٹین شہر بن گیا تھا جہاں مسلم دانشور اپنے کروشیائی اور سرب دوستوں کے ہمراہ کافی ہاؤسوں میں بیٹھے ہوئے حالات حاضرہ پر تبادلہ خیال میں مصروف دیکھے جاسکتے تھے۔

1989 میں سلوبودن میلوسوک نے سربیوں میں قوم پرستی کے جذبے کو ہوا دینے کے لئے جو جلوس نکالا تھا اس پر بوسنیا یا باقی دنیا نے کم ہی توجہ دی۔ اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے اس نے ترکی مسلمانوں کے ہاتھوں ناقابل تسخیر سربیا کی شکست کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس وقت سے خوف زدہ کیا جب پورے بوسنیا اور سربیا کے بعض حصوں پر اسلامی قوتوں کا غلبہ ہوجائے گا۔

بوسنیائی سرب سیاسی لیڈر رزوان کرادذک جو اس تماشے کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا اس نے اب اپنے پینترے چلنے شروع کئے اور بوسنیا میں سربیوں کی اقلیتی آبادی میں سربیائی قوم پرستی کا احساس بیدار کرنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ سربیوں کی بندوقوں کا رخ اپریل 1992 میں مسلمانوں کی طرف ہوتا سربیوں اور کروشیائیوں کے درمیان ایک دوسرا محاذ چھڑ گیا۔

سابق مشرقی یوروپی ریاستوں کو دیکھتے ہوئے کروشیا نے بھی رنگ بدلا اور 1990 میں یوگوسلاویہ کی سربیائی غلبہ کی ریاست سے اپنی علیحدگی اور آزادی کا اعلان کردیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد کے یوگوسلاویہ میں سرکاری اور فوجی عہدوں پر سربیوں کا غلبہ رہا ہے باوجود اس حقیقت کے کہ صدر ٹیٹو جنہوں نے کسی لمحہ بھی منقسم ہوجانے والے نسلی گروہوں کو جوڑ کر رکھا تھا خود کروشیائی تھے۔

1346 کے نقشے کے مطابق کروشیا کے بعض حصے جن میں سربیوں کی خاصی آبادی تھی عظیم سربیا کا اٹوٹ حصہ تھے۔ لہذا جب کروشیائیوں نے اپنی آزادی کا اعلان کیا تو یوگوسلاویہ کی سربیائی غلبہ کی حامل فوج نے کروشیا پر حملہ کردیا۔ مزید یہ کہ کروشیا، سربیا نفاق کی تاریخ کا سرا دوسری جنگ عظیم سے بھی ملتا ہے جب کروشیا نے نازی جرمنی کا ساتھ دیتے ہوئے ایذا رسانی کے کیمپوں میں ہزاروں سربیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں نازیوں کے ساتھ تعاون کیا۔

مسلمانوں کے برخلاف کروشیائی پوری طرح مسلح تھے۔ جنگ خاصی خوں آشام تھی لیکن سربیائی اپنے حریف کروشیائیوں کا وہ حشر نہیں کرسکتے جو مسلمانوں کا ہوا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں پر اقوام متحدہ نے مداخلت کرکے ثالثی کا کردار ادا کیا۔ دونوں میں جنگ بندی کے معاہدے کے تحت کروشیا کا ایک تہائی علاقہ کروشیا سربیا کے قبضہ میں دیدیا گیا اور باقی حصہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں آگیا۔

29 فروری 1992 کو مسلم اکثریت والے بوسنیا نے آزادی کا اعلان کیا۔ یہاں پر اسلام سولہویں صدی کے آخر میں آیا اور لوگوں نے بخوشی اسے قبول کیا۔ یہی مذہب جب ایک دہائی قبل سربیا میں آیا تو کٹر عیسائیوں نے اس کی مخالفت کی۔ عثمانی اقتدار کے دور میں بوسنیائی نو مسلموں کو خاصی مراعات دی گئیں اور انہیں اعلیٰ مناصب بھی دیئے گئے۔ اور یہ سب کچھ دیکھ کر سربیوں کا خون کھولتا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے زمانہ میں اگرچہ غیر مسلموں سے "عیسائیت ٹیکس" وصول کیا جاتا تھا تاہم تمام قوموں کو مذہبی امور میں آزادی حاصل تھی۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ جس شخص کو بھی بوسنیا جانے کا اتفاق ہو وہ یہی تاثر لے کر لوٹے گا کہ وہاں کے مسلمان جیسے روادار، تعلیم یافتہ اور مہذب ہیں سربیائی اتنے ہی غیر روادار، جارحیت پسند اور غیر تعلیم یافتہ ہیں۔

لیکن مسلمانوں کی تصنیفی خدمات اور دانشورانہ کمالات نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا کیونکہ یوگوسلاویہ کے تمام تر اسلحوں پر سربیوں کا قبضہ تھا۔ بوسنیائیوں کے مطالبہ آزادی کے جواب میں سربیوں نے 16 اپریل 1992 سے آج تک قتل وغارت گری، ایذا رسانی اور آبروریزی کا جو بازار گرم کیا وہ ہٹلر اور مسولینی کے مظالم سے کم نہیں۔ اس سفاکیت نے ڈھائی لاکھ بے قصور مسلمانوں کا خون بہایا ہے اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اس پورے خون خرابے کے باوجود سربیوں کے گھناؤنے مظالم کے تئیں مغرب نے بے نیازانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

گارجین کے نامہ نگار ایڈولیامی نے ایک "اعتدال پسند" سرب سے سوال کیا کہ یوگوسلاویہ میں کیا ہو رہا ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ خود میں بھی دیکھنے سے قاصر ہوں سربیائی اور کروشیائی حکومتیں وطن پرستی کا بم پھینک رہی ہیں۔ عوام تاریخ کو کھنگال رہے ہیں، میلوسیوک سربیوں کو متحد کررہے ہیں، تجمان آزاد سربیا کے قیام کی بات کرتے ہیں۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جنگ نے سب لوگوں کے ذہنوں کی دھلائی کردی ہے۔ وہ جمہوریت کی بات کررہے ہیں لیکن اس لفظ کے املا تک سے واقف نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دو گدھوں کو ایک میدان میں مت چھوڑو کیونکہ وہ ساری گھاس چر جائیں گے۔ آج کل یوگوسلاویہ میں گھاس کی قلت ہے لیکن گدھوں کی کمی نہیں۔

سراجیو میں ایک زخمی کو طبی سہولیات فراہم کی جارہی ہیں۔

29 فروری 1992 کو مسلم اکثریت والے بوسنیا نے آزادی کا اعلان کیا۔ یہاں پر اسلام سولہویں صدی کے آخر میں آیا اور لوگوں نے بخوشی اسے قبول کیا۔ یہی مذہب جب ایک دہائی قبل سربیا میں آیا تو کٹر عیسائیوں نے اس کی مخالفت کی۔ عثمانی اقتدار کے دور میں بوسنیائی نو مسلموں کو خاصی مراعات دی گئیں اور انہیں اعلیٰ مناصب بھی دیئے گئے۔

سربیوں نے 16 اپریل 1992 سے آج تک قتل وغارت گری، ایذا رسانی اور آبروریزی کا جو بازار گرم کیا وہ ہٹلر اور مسولینی کے مظالم سے کم نہیں۔ اس سفاکیت نے ڈھائی لاکھ بے قصور مسلمانوں کا خون بہایا ہے اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اس پورے خون خرابے کے باوجود سربیوں کے گھناؤنے مظالم کے تئیں مغرب نے بے نیازانہ رویہ اختیار کیا ہے۔

"اسلامی بیداری" کو دبانے کی کوشش

حالیہ عرب اسلامی سربراہوں کے رہنماؤں کی چوٹی کانفرنس میں "انتہا پسندی" کے موضوع پر بحث ہوئی۔ یہ وہی موضوع ہے جس کو اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد، مغربی جاسوسی محکموں اور ان کے ہمنوا ہماری امت کے فرزندوں نے موجودہ زمانہ میں خوب اچھالا اور ہوا دی، اور اس کے ذریعہ عالم اسلامی میں عام "اسلامی بیداری" کو دبانے کی ساری دنیا میں حکمت عملی تیار کی گئی ہے، اس لئے کہ ان کے خیال میں وہ مسلم ممالک میں ان کے مفادات کے لئے خطرہ ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی اجارہ داری قائم رکھنے اور یہودیوں کو نیا حصہ دار بنانے کے لئے یہ طے کیا کہ نئی دنیا میں تہذیب وطاقت کے نئے وارث عالم اسلام کو بے یار ومددگار بنا کر اس کا خاتمہ کردیں۔

ان کو تاریخی شواہد سے اچھی طرح معلوم ہے کہ جب بھی اسلامی وعربی امت نے قرآن وسنت کو اپنا رہنما بنایا تو وہ متحد ہوکر ایک دوسرے کے لئے ڈھال بن گئے، ان کو عزت واقتدار حاصل ہوا اور وہ دشمنوں کے لئے ایک ہیبت ناک قوت بن گئے۔ اس لئے یہودیوں اور ان کے سرپرست مغربی طاقتوں کا یہ نقطہ نظر حیرت ناک نہیں ہے۔

لیکن ہمارے امت کے فرزندوں کا کھلے دشمنوں کے موقف کی اندھی تائید بڑے تعجب کی بات ہے یقینا اسلام ان یہودی، صلیبی اور ان کے ہمنوا عناصر سے تعاون کرنے والوں سے بالکل بری ہے۔ اسی طرح دین اسلام پر قائم مسلم اقوام "انتہا پسندی" کے جھوٹے الزام سے بالکل پاک وصاف ہیں، جس طرح کہ دشمنوں کی تہمت سے دین اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(بحوالہ المجمع، کویت شمارہ 1130)

بقیہ: سراجیو کی شاہراہیں

کے راستے پر ڈالا اور دیگر غیر سربیائی یوگوسلاوی باشندوں کو چن چن کر ختم کرنا شروع کیا۔ سربیوں کی چھیڑی ہوئی جنگ مذہبی جنگ نہیں ہے تاہم اسے اس اعتبار سے مذہبی بنادیا گیا ہے کہ اگر ظلم عیسائیوں یا یہودیوں پر ہوتا تو مغرب آج سے بہت پہلے ہی سربیوں کو روک چکا ہوتا۔ یہ ایسا دوہرا معیار ہے جس کا احساس امریکیوں کو ذرہ برابر بھی نہیں لیکن کروڑوں مسلمانوں کو ضرور ہے۔

بوسنیائی مسلمانوں کی نسل کشی کے لامتناہی سلسلے کی روشنی میں ایک اور نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ سربیائی قوم پرست نازیوں سے مختلف نہیں ہیں۔ ان پر اس دور کے برطانوی یا امریکی سفیر ان امن کی باتوں کا اثر ہونے والا نہیں ہے۔ اگر جنگی مجرموں کے خلاف مغربی لیڈروں کی طرف سے سخت کارروائی نہ ہوئی تو بوسنیائی حدود سے آگے بڑھ کر وہ دوسرے ہزاروں شہریوں کے قتل عام سے بھی گریز نہ کریں گے۔

سراجیو کی شاہراہیں مظلوموں کی آہ وبکا سے گونج رہی ہیں

مساجد کو بلڈوزروں سے زمیں بوس کر دیا گیا اور امام و مصلین کی لاشیں صفوں میں لپیٹ دی گئی ہیں

بوسنیا سے خاتون امریکی صحافی گریس ہال سیل کی کربناک تحریر

امریکی جرنلسٹ گریس ہال سیل سابق یوگوسلاویہ کا چار بار دورہ کرچکی ہیں اور انہوں نے سربیائی ظلم کے شکار لوگوں پر دو مضمون قلم بند کئے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں یوروپ میں مسلمانوں کی نسل کشی کی طرف سے مغرب اور امریکہ کی بے نیازی کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

سراجیو میں ٹینک دندناتے پھر رہے ہیں اور دنیا نے آنکھیں بند کررکھی ہیں

صیہونیوں کی طرح سربیائی بھی بے خوف ہوکر ظلم ڈھاتے ہیں۔ دوسروں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ، قید کرلینا قتل اور ایذا رسانی ان کا عام شعار ہے۔ سربیائی حملہ آوروں کے طریقہ کار پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ مغرب کو انہوں نے اپنا آلہ کار بنایا ہے یہاں تک کہ غذا اور دوا بردار ٹرکوں کو کب حرکت میں آنا ہے اور کب بے سبب امداد رسانی کے کام کو ٹھپ کرکے سربیائی احکام کا انتظار کرنا ہے ان تمام امور پر سربیائی جارحین قابض ہیں اسی طرح اخباری رپورٹر بھی ان کی مٹھی میں ہیں ان رپورٹروں کو کب اور کہاں جانا ہے یہ سربیاؤں کے ہاتھ میں ہے۔ سربیائی کے نسلی صفایا کی مہم کا نشانہ بننے والے علاقوں میں آج تک رپورٹروں کو جانا نصیب ہی نہیں ہوپایا ہے۔ تین سال سے یہی دیکھنے میں آرہا ہے سڑک پار کرتے ہوئے یا دور سے ایک بالٹی پانی لاتے ہوئے بچے اور عورتیں اونچائی پر سے داغی گئی گولی کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

اس طرح جاں بحق ہونے والے دس ہزار افراد اب تک سراجیو کے قبرستان میں دفن کئے جاچکے ہیں۔ اور وہاں شاہراہیں مظلوم ومغموم لوگوں کی آہ وبکا سے گونج رہی ہیں۔ صرف سراجیو میں پچاس ہزار افراد زخمی ہوئے ہیں جن میں بعض بچوں کی اور عورتوں کی تصویریں دنیا کی نظروں کے سامنے آسکی ہیں۔ تاہم نسل کشی کی کارروائیوں کی کوئی تصویر یا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔ اور ہو بھی کیسے جب خون کے پیاسے چھاپہ مار رات کی تاریکی میں ٹینکوں اور مہلک اسلحوں سے لیس ہوکر قریے کے قریے تاراج کرڈالتی ہیں مردوں کو پکڑ کر ایذا رسانی کے مراکز میں اور عورتوں کو آبرو ریزی کے کیمپوں میں بند کردیتے ہیں۔

سفاک ترین برتاؤ تو مساجد کے ائمہ کرام کے ساتھ ہوتا ہے۔ 33 ہزار کی آبادی پر مشتمل گاؤں بارٹھوں پر سربیاؤں نے حملہ کرکے وہاں کے امام محمد مجکانووک کو زدوکوب کرنے کے بعد اپنے ہاتھ میں صلیب کا نشان بنانے پر مجبور کیا۔ ان کی دو چھوٹی انگلیاں پنجے سے جدا کردی گئیں اس طرح سے کہ صلیب کا نشان بنانے میں استعمال ہونے والی تین انگلیاں ہی ہاتھ میں رہ جائیں۔ لیکن توحید کے شیدائی محمد نے ایک انگلی ہی اوپر اٹھائی اور انہیں شہید کردیا گیا۔ ایک دوسرے گاؤں پیراجیوں میں نوجوان امام سلیمان زواروک کو دیگر بیس مسلمانوں کے ساتھ ہلاک کیا گیا اور ان کی لاشیں مسجد کی صفوں میں لپیٹ دی گئیں۔

مخلف مقامات پر قدیم یادگاری مسجدیں بل ڈوزر چلاکر منہدم کردی گئیں۔ سراجیو میں مسمار شدہ مساجد کی تعداد 74 ہے۔ سراجیو کا اونٹیل انسٹی ٹیوٹ بھی سربیائی تخریب کی نذر ہوگیا قصبہ موستار عہد عثمانی کے فن تعمیر کے نقوش سے منور تھا خصوصاً ترکی سلطان سلیمان کا 1557 میں دریائے تیروا پر تعمیر کردہ پل عالمی اخوت وہم آہنگی کی علامت بنا ہوا تھا وہ نومبر 1993 میں کیتھولک کروشیائی ظالموں کے ہاتھوں تباہ ہوگیا اسی طرح سربیائی بھی بوسنیا میں مسلمانوں کی نشانیوں کو مٹانے کے درپے ہیں۔ سربیائی حملوں کی شروعات سے پہلے بوسنیائی مسلمانوں کی دو ہزار مساجد تھیں اور آج ان میں سے ایک بھی باقی نہیں۔ نازی جرمنی کے زوال کے بعد سے اقتدار کے بھوکے سربیاؤں نے مجنونانہ قتل وغارت گری اور تباہ کاری کی بدترین مثال کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی بربریت کا نشانہ عیسائی اور یہودی سبھی بنے ہیں لیکن مسلمان پوری طرح دبانے پر رکھے گئے ہیں۔

ستم تو یہ ہے کہ ایک طرف مسلم کشی کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جارہی ہے تو دوسری جانب صیہونی نظام ابلاغ اخبارات اور ٹیلی ویژن کے ذریعے مغرب کو 1940 کی دہائی کے ہالوکاسٹ کی یاد دلاتا ہے رہتا ہے۔ گویا کہ یہودیوں کا قتل ہی حقیقی معنوں میں نسل کشی تھا۔ حالانکہ سربیائی ایذا رسانی کیمپوں میں مسلمان مظلوموں کے دانت توڑ دئے جاتے ہیں، آنکھیں نکال لی جاتی ہیں بستیاں جلاکر خاک کردی جاتی ہیں معصوموں کا خون سفاکی سے بہایا جاتا ہے اور عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ امریکیوں سے جب کہا جاتا ہے کہ بربریت کے اس رقص کو روکنے کی خاطر وہائٹ ہاؤس اور کانگریس کو تو یہ جواب ملتا ہے کہ یہ ہمارا کام نہیں ہے اور ہمیں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ ایسے ہی ایک موقع پر کسی امریکی سے سوال و جواب کیا گیا کہ یہودیوں کا قتل عام اگر غلط تھا اور مغرب نے اس کو روکنا ضروری سمجھا تو مسلمانوں کا قتل عام غلط کیوں نہیں ہے اور اس کی روک تھام کی مغرب کی جانب سے کوشش کیوں نہیں ہورہی ہے تو اس نے بڑے بے اعتنائی سے جواب دیا کہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہودیوں کا قتل عام ایک مختلف معاملہ تھا۔

مغرب کی نگاہ میں صرف یہودیوں کے اصل مظلوم ہونے کا ثبوت اس بات سے بھی فراہم ہوتا ہے کہ جب 22 جنوری کو خود سازانہ بمباری میں انیس اسرائیلی یہودی ہلاک ہوئے تو صدر کلنٹن نے اس کے دو روز بعد اپنے خطاب میں امریکیوں سے کہا کہ "ہمیں دہشت گردی روکنے کے لئے میدان میں اترنا چاہئے" نیز یہ کہ اسرائیلی وزیر اعظم کے نام اپنے خصوصی ذاتی مراسلے میں انہوں نے یہ کہتے ہوئے اس حملہ پر شدید غم وغصے کا اظہار کیا کہ انہیں اس سے ذاتی طور پر صدمہ پہنچا ہے" صدر کلنٹن کی یہودی مظلوموں سے یہ گہری ہمدردی بجا ہے لیکن کیا فلسطین بوسنیا اور چیچنیا میں ہزاروں

معصوموں کی زندگیوں کا خراج لینے والی دہشت گردی کی مذمت بھی کبھی انہوں نے کی ہے۔

امریکی نظام ابلاغ پر مسلط صیہونی عناصر نے امریکی عوام کی فکر کی عنانیں پوری طرح تھام رکھی ہیں۔ مسلم باغی اور اسلامی دہشت گردی جیسی اصطلاحات کے استعمال سے یہی ظاہر ہوتا ہے گویا کہ ان کے ورڈ پروسس اسی کام پر متعین ہیں۔ ان کے اس رویہ نے مسلمان ذہنوں پر مشرق وسطی کے تئیں مغرب کی دوغلی پالسی کا تاثر قائم ہے یعنی کہ یوروپ نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے ایک اسٹریو ٹائٹ فیصلہ صادر کردیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان ایسی غیر معتبر انسانی مخلوق ہیں کہ اگر یوروپ میں یا کہیں بھی ان کا قتل عام ہو تو اس کی طرف سے دنیا کو آنکھ بند کرلینی چاہئے۔

> امریکی نظام ابلاغ پر مسلط صیہونی عناصر نے امریکی عوام کی فکر کی عنانیں پوری طرح تھام رکھی ہیں۔ مسلم باغی اور اسلامی دہشت گردی جیسی اصطلاحات کے استعمال سے یہی ظاہر ہوتا ہے گویا مسلمان ایسی غیر معتبر انسانی مخلوق ہیں کہ اگر یوروپ میں یا کہیں بھی ان کا قتل عام ہو تو اس کی طرف سے دنیا کو آنکھ بند کرلینی چاہئے۔

صدر ٹیٹو کی موت کے بعد غیر متنازعہ قائد میلوسیوک کی سرپرستی میں بلغراد میں ایک ایسی زہریلی قوم پرستی نے سر ابھارا جس کے تحت خالصتاً آریائی طرز پر بے رحمانہ نسل کشی کی مہم چلائی گئی۔ اسی شخص کے حامیوں نے یوگوسلاویہ کو تباہی

> سربیائی کے نسلی صفایا کی مہم کا نشانہ بننے والے علاقوں میں آج تک رپورٹروں کو جانا نصیب ہی نہیں ہوپایا ہے۔ تین سال سے یہی دیکھنے میں آرہا ہے سڑک پار کرتے ہوئے یا دور سے ایک بالٹی پانی لاتے ہوئے بچے اور عورتیں اونچائی پر سے داغی گئی گولی کا لقمہ بن جاتے ہیں۔ اس طرح جاں بحق ہونے والے دس ہزار افراد اب تک سراجیو کے قبرستان میں دفن کئے جاچکے ہیں۔

باقی صفحہ ۲ پر

"مسلم دہشت گردی" کا الزام ایک بڑے فتنے کی علامت ہے

میخائیل گورباچوف کے خیالات

سابق صدر سویت یونین میخائیل گورباچوف نے متحدہ عرب امارات کے دورہ کے دوران سعودی جریدہ "المسلمون" کو انٹرویو دیتے ہوئے مغرب اور مسلمانوں کے درمیان تصادم کی صورت حال پیدا کرنے والوں سے ہوشیار کرتے ہوئے کہا کہ عالمی سلامتی واستحکام کے لئے مسلمانوں کو خطرہ بنا کر پیش کرنے کا پروپیگنڈہ دراصل ان مشتبہ اداروں کی طرف سے کیا جارہا ہے جو مغربی دنیا میں اقتدار اور وسائل ابلاغ عامہ پر قابض ہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے خیالات اور منصوبوں کی تکمیل کے لئے عوامی تائید کی ضرورت ہے، مگر یہ سیاست عالمی امن اور تمام ادیان کے ماننے والوں کے درمیان تعاون کے لئے بہت خطرناک ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکانے سے ساری دنیا مذہبی مورچوں میں بٹ جائے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کو مشرق ومغرب کے درمیان سرد جنگ کی حالت سے نکال کر عالم اسلام اور مغرب کے درمیان کھلے تصادم کے خطرہ میں جھونک دیا جائے۔ حالانکہ اسلام کبھی بھی مغربی تہذیب کے لئے خطرہ نہیں بنا، بلکہ مسلمانوں نے اپنی تہذیب کے عروج کے زمانہ میں علوم ومعارف کی حفاظت وترقی کرکے انسانی میراث کے مالدار بنانے میں ہمیشہ اہم حصہ ادا کیا۔

یہ کہنا کہ اسلام دہشت گردی کا سرچشمہ ہے اور یہ کہ دہشت گرد جماعتیں مسلم معاشروں میں مذہبی تشدد کے نتیجہ میں پنپی ہیں خلاف واقعہ ہے۔ اسلام تو امن وسلامتی کا دین ہے، اس کی تعلیمات افراد واقوام کے درمیان تعاون پر زور دیتی ہیں، اور انسانیت اسلامی عروج کے زمانہ کے احسانات کی مرہون منت ہے، جب کہ اس عظیم دین کی حقیقی اقدار کا غلبہ تھا اور انسانی ترقی وخوشحالی پر ان کے اثرات مرتب ہورہے تھے۔

مسلمانوں پر دہشت گردی کے الزام کو مجرمانہ بتاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ طرز عمل بڑے فتنہ کی علامت ہے، جس کی وجہ سے انسانی تاریخ پیچھے کی طرف لوٹے گی۔

انہوں نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ جب مغربی یوروپ اور عیسائی دنیا میں جگہ جگہ دہشت گرد جماعتیں تشکیل پارہی ہیں، اس وقت مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے کا کیا مقصد ہے؟ دنیا میں بار بار تشدد پسند جنگجو جماعتیں پیدا ہوتی ہیں، مگر ان کی طرف منسوب پوری کی پوری قوم پر دہشت گردی کی صفت چسپاں کرنا کوئی معقول بات نہیں ہے۔

بحوالہ الرائد لکھنؤ 31 دسمبر 94

مارشل لا کی جانب بڑھتا پاکستان

پاکستان کے خلاف پریسلر پابندی ہندوپاک کے مابین کشیدگی کی اصل وجہ

"پاکستان کے پاس پندرہ ایٹمی بم ہیں" امریکہ کا انکشاف

پریسلر ترمیم کے ذریعہ امریکہ نے پاکستان کے خلاف ہتھیاروں کی سپلائی پر جو پابندی عائد کر رکھی تھی، وہ اب خود امریکہ کے لئے دردسر بن گئی ہے۔ کیونکہ اب امریکہ کو یہ احساس ہوچلا ہے کہ اس کی جانب سے پاکستان کو جنگی ہتھیاروں کی سپلائی پر عائد پابندی کے باوجود پاکستان نہ صرف دیگر مغربی ممالک سے اعلی درجے کے جنگی ہتھیاروں کے حصول میں کامیاب رہا ہے بلکہ اپنے نیوکلیائی پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھنے کے اپنے عزائم میں بھی صد فی صد کامیابی حاصل کرچکا ہے، علاوہ بریں ہتھیاروں کے سودے کی منسوخی کے سبب امریکہ کو نہ صرف تجارتی خسارہ اٹھانا پڑا ہے بلکہ جنوب ایشیائی خطے میں اسے اپنے ایک دیرینہ حلیف ملک کی جانب سے بے اعتباری اور باہمی تعلقات میں شگاف کی صورت حال سے بھی دوچار ہونا پڑا ہے۔

حال ہی میں امریکہ کی نائب سکریٹری برائے تخفیف اسلحہ اور بین اقوامی امور سلامتی ڈاکٹر لن ڈیوس نے اس بات کا واضح طور پر انکشاف کیا ہے کہ پاکستان کے پاس متعدد نیوکلیر بم یا تو تیار ہیں یا وہ کسی بھی لمحے اتنی تعداد میں نیوکلیر بم تیار کرسکنے کی اہلیت حاصل کرچکا ہے۔ جس سے برصغیر کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ پہلا موقع ہے جب امریکی حکومت کے کسی ذمہ دار عملے کی جانب سے اس قسم کا بیان جاری کیا گیا ہے۔ گرچہ پاکستان کی جانب سے نیوکلیائی قوت حاصل کرنے کی تگ ودو سے متعلق شبہات وخدشات کا اظہار تو ایک عرصے سے وقتاً فوقتاً کیا جاتا رہا ہے لیکن واضح طور پر وثوق کے ساتھ اس سلسلے میں کوئی مصدقہ بیان اب تک سامنے نہیں آیا تھا۔ حالانکہ پاکستان کو نیوکلیائی قوت حاصل کرنے سے باز رکھنے اور اس سلسلے میں خود کفیل ہونے کی اس کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے امریکہ نے پریلسر ترمیم کے ذریعے 1990 سے ہی پاکستان کو ہتھیاروں کی سپلائی پر پابندی بھی عائد کر رکھی ہے جس کے سبب متنازعہ فیہ ایف۔16 کی سپلائی کو بھی امریکہ نے درمیان میں ہی منسوخ کردیا تھا، جب کہ پاکستان اس بات پر اصرار کرتا رہا ہے کہ ایف۔16 کا سودا پریسلر ترمیم سے قبل کا سودا ہے اور پریسلر پابندی کا اطلاق اس سودے پر نہیں ہوسکتا، علاوہ بریں پاکستان اس بات پر بھی امریکہ کو زیر بار کرتا رہا ہے کہ اس سودے کے لئے پاکستان امریکہ کو 28 ایف۔ جنگی جہازوں کی قیمت 650 ملین ڈالر پہلے ہی ادا کرچکا ہے اس لئے ان جہازوں کی سپلائی پر پابندی لگا کر امریکہ پاکستان کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔

ڈاکٹر لن ڈیوس نے ہند وپاک کی جانب سے نیوکلیائی قوت حاصل کرنے اور اس سلسلے میں دونوں ممالک کی جانب سے خود کفیل ہونے کی کوششوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ کلنٹن انتظامیہ کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ وہ ان دونوں ممالک کو ایسی کوششوں سے باز رکھے اور مزید نیوکلیائی ہتھیاروں کی تیاری کو روکنے، اس میں تخفیف کرنے اور اسے سرے سے ختم کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا رہے۔ بجائے خود امریکی سامراجیت اور اس کی جنگی اجارہ داری کو برقرار رکھنے کی حتی لامکان کوششوں کا اشاریہ ہے۔ کیونکہ اس وقت امریکہ دنیا کے سب سے طاقتور ملک کی حیثیت سے پوری دنیا میں جس عالمی نظام کے قیام کے خواب کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جنگی قوت میں امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ مغربی ممالک میں باہم اتفاق ہو۔ کیونکہ گذشتہ خلیجی جنگ میں عراق کے جنگ ونیوکلیائی قوت سے متعلق انکشافات نے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کو باور کرادیا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کے ذریعہ نیوکلیائی قوتوں کا حصول اور جنگی خودکفالت ان ترقی یافتہ ممالک کے مالی سامراجی مفادات کے عین منافی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ باہم معاہدے کے ساتھ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک اپنی نیوکلیائی اجارہ داری کو محفوظ رکھتے ہوئے بالخصوص ترقی پذیر ممالک کے نیوکلیائی پرگراموں پر روک لگانے اور انہیں ناکام بنانے کے لئے مختلف حربوں کا استعمال کرکے ان ممالک کو این۔پی۔ٹی پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کرنے کے منصوبے پر گامزن ہیں۔

ابھی گذشتہ مہینے جنوری میں امریکہ کے دفاعی سکریٹری ولیم پیری کا دورہ ہند وپاک بھی این۔پی۔ٹی پر دستخط کے لئے دونوں ملکوں کو راضی کرنے کی سمت میں ہی ایک کوشش کا حصہ تھا گرچہ ولیم پیری نے دونوں ملکوں کے دورے کے بعد یہ تاثر دیا تھا کہ دونوں ممالک اپنی سلامتی کے لئے نیوکلیائی پروگراموں کو جاری رکھنے پر مجبور ہیں اور اس سلسلے میں کسی قسم کی مفاہمت کے لئے راضی نہیں، لیکن امریکہ کی تشویش بدستور بنی ہوئی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے امریکہ عنقریب ہی ترقی یافتہ مغربی ممالک کی ایک نظرثانی کانفرنس منعقد کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے جس میں بالخصوص ترقی پذیر ممالک کی نیوکلیائی پروگراموں اور سرگرمیوں پر نظر ثانی کی جائے گی اور انہں بہر صورت این۔پی۔ٹی پر دستخط کے لئے مجبور کرنے کے لائحہ عمل پر غور کیا جائے گا۔

دریں اثنا امریکی دفاعی سکریٹری ولیم پیری کے ذریعہ چند روز قبل دیا گیا یہ بیان ہندوستان وپاکستان دونوں حلقوں میں زبردست بحث کا موضوع بنا ہوا ہے جس میں ولیم پیری نے یہ کہا ہے کہ ہندوستان وپاکستان کے درمیان جنگی کشیدگی اور نیوکلیائی مسابقت کو روکنے کے سلسلے میں اہم رکاوٹ پاکستان کے خلاف عاید پریسلر پابندی ہے۔ اور اگر پریسلر پابندی برقرار رہی تو دونوں ملکوں کے درمیان جنگی کشیدگی کو ختم کرنا ناممکن ہوگا۔ ولیم پیری نے واضح لفظوں میں یہ کہا کہ پریسلر پابندی نے پاکستان پر امریکی اثر ورسوخ کو منفی رخ عطا کیا ہے، اور اس کے سبب حالات میں بہتری پیدا ہونے کی بجائے ابتری پیدا ہوئی ہے، کیونکہ پاکستان کو امریکی اسلحہ کی سپلائی پر پابندی اور پاکستان کی روایتی اسلحے میں تخفیف نے اس کے اندر اس احساس کو جاگزیں کیا ہے کہ اس کے پاس اب اپنے نیوکلیائی پروگراموں پر مستعدی سے کاربند ہونے اور نیوکلیائی قوت کے حصول کو ہر قیمت ممکن بنانے کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں۔

ولیم پیری کے حالیہ دورہ ہند وپاک اور اس

بے نظیر بھٹو

کے بعد امریکی خارجہ پالیسی ایسوسی ایشن کو خطاب کرتے ہوئے پریسلر پابندی سے متعلق پیری کا بیان اگر ایک طرف ہندوستانی حلقے میں امریکہ کی دیرینہ پاکستان نوازی اور اس کے جانبدارانہ رویے پر محمول کیا جارہا ہے تو دوسری جانب پاکستان میں اسے امریکی حلقے میں پاکستان کی سرخ روئی پر موقوف کیا جارہا ہے کیونکہ پریسلر پابندی کے خاتمے سے پاکستان کے لئے نہ صرف ایف۔16 جنگی طیاروں کا حصول ممکن ہوجائے گا بلکہ اس پابندی کے سبب پیدا شدہ امریکہ وپاکستان کے باہمی تعلقات میں حائل ہوئے خلیج کو بھی پاٹنے میں مدد ملے گی۔ لیکن مبصرین کا خیال ہے کہ ہندوستان وپاکستان میں اس پورے جنوب ایشیائی خطے اور عمومی طور پر ترقی پذیر ممالک کے ساتھ اختیار کردہ امریکی موقف اور مغربی ممالک کا باہمی معاہدہ آنے والے دنوں میں ایک نیا رخ اختیار کرلے گا۔ جن کا اندازہ امریکی ذمہ داران کے حالیہ بیانات سے لگانا ممکن نہیں۔

> ولیم پیری کے ذریعہ چند روز قبل دیا گیا یہ بیان ہندوستان وپاکستان دونوں حلقوں میں زبردست بحث کا موضوع بنا ہوا ہے جس میں ولیم پیری نے یہ کہا ہے کہ ہندوستان وپاکستان کے درمیان جنگی کشیدگی اور نیوکلیائی مسابقت کو روکنے کے سلسلے میں اہم رکاوٹ پاکستان کے خلاف عاید پریسلر پابندی ہے۔ اور اگر پریسلر پابندی برقرار رہی تو دونوں ملکوں کے درمیان جنگی کشیدگی کو ختم کرنا ناممکن ہوگا۔

کیا پاکستان میں اسلامی انقلاب آنے والا ہے

کراچی خون کا دریا بنتا جارہا ہے، سیاسی، ثقافتی، مسلکی اور گروہی تصادموں نے عوام کی زندگی اجیرن کردی ہے۔ حکومت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بظاہر سرکاری پولیس پہرہ دے رہی ہے لیکن درحقیت وہاں حکمرانی سپاہ صحابہ اور تحریک فقہ جعفریہ کے لوگوں کی ہے، دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو خون کا غسل دینے میں مصروف ہیں۔ شیعہ سنی تصادم اس قدر جڑ پکڑ چکا ہے کہ ایک جگہ ماتم ختم نہیں ہوتا کہ دوسری جگہ شروع ہوجاتا ہے۔ ایک گلی میں بہنے والا خون خشک بھی نہیں ہوپاتا کہ دوسری گلی میں خون کے فوارے ابل پڑتے ہیں۔ ایک سڑک پر لاش تڑپ کر ٹھنڈی بھی نہیں ہوپاتی کہ دوسری سڑک پر اس سے بھی بھیانک منظر نظر آنے لگتا ہے۔ مساجد اور عبادتگاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ مسجدوں میں اندھادھند گولیاں چلاکر نمازیوں کو موت کی آغوش پہنچادینے کو متحارب گروہ اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔

بے نظیر حکومت جوان خونیں تصادمات پر قابو پانے میں ناکام ہے خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ کراچی میں امن وامان کا ماحول بنانے کی کوشش کرے مدارس پر پابندی لگانے کا اعلان کرتی ہے اور ان کی حکومت کے وزیر پارلیامنٹ میں اسلام مخالف بیانات دیتے ہیں۔ گذشتہ دنوں بے نظیر نے مدارس پر پابندی عائد کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ان کے خیال میں مدرسوں میں قتل وغارت کی تعلیم دی جاتی ہے اور مسلکی عصبیت کا درس دیا جاتا ہے۔ حکومت اپنی نااہلی کو مداراس پر ڈال کر چپ ہوجانا چاہتی ہے۔ بے نظیر نے مدارس کے خلاف انتہائی سخت بیان دیا تھا اور کہا تھا کہ ان کی حکومت مدرسوں پر پابندی عائد کرکے انتہائی بیدردی کے ساتھ خونیں تشدد کو کچل دیگی۔ خونیں تشدد کا خاتمہ ضروری ہے لیکن کیا اس کے لئے مدرسوں پر پابندی لگانی پڑے گی۔ مدارس اور مذہبی جماعتوں کی جانب سے حکومت کے اس بیان کی

> اطلاعات کے مطابق اس وقت مدارس کے ذمہ داروں اور طلباء کی کوشش پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی ہے۔ سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اسلم بیگ کا بھی کہنا ہے کہ پاکستان میں ایک انقلاب آنے والا ہے اور پاکستان ایک خمینی کے انتظار میں ہے۔

باقی صفحہ 7 پر

لالو یادو کی حکومت کھوکھلے نعروں اور جھوٹے وعدوں سے عبارت رہی ہے

لالو یادو کی مسلم نوازی کا کچا چٹھا

آزادی کے بعد سے مسلمان مسلسل استحصال کا شکار ہیں اور اس کی وجہ سے ہمارے حالات بد سے بد تر ہوتے جارہے ہیں اور اس کے باوجود ہم مسلسل فریب کھارہے ہیں۔ ہماری حالت اتنی قابل رحم ہوچکی ہے کہ جب کوئی لیڈر یا سیاسی جماعت ہماری بہی خواہی کا دم بھرتا ہے ہم امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور اپنی ساری توقعات اسی سے وابستہ تصور کرلیتے ہیں۔ اور اسے ہی اپنا مسیحا سمجھنے لگتے ہیں۔ ہماری حیثیت صرف ایک "ووٹ بینک" کی بن کر رہ گئی ہے۔ جب ضرورت ہوئی لوگ ہمیں خوشنما وعدوں اور مستقبل کے سبز باغ دکھا کر فریب دیتے رہے۔ اور ہم فریب کھاتے رہے۔ آزادی کے بعد کانگریس نے ہمارا سب سے زیادہ استحصال کیا سیکولرزم کے پردے میں فرقہ پرستی کا زہر بوتی رہی اس کے بعد وقفے وقفے سے مختلف پارٹیاں بھی ہمیں فریب دیتی رہی ہیں۔

گذشتہ حکومت نے ہی چار نئی یونیورسٹیوں کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور یہ بہار یونیورسٹیز ایکٹ میں شامل بھی ہیں تین یونیورسٹیاں بہت پہلے نام کی معمولی تبدیلی کے بعد قائم کی جاچکی ہیں اور باقاعدہ کام کررہی ہیں لیکن مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی اب تک قائم نہ ہوسکی ہے۔ صرف مسلمانوں کو فریب دینے اور ان کی تسکین کے لئے وقتاً فوقتاً اعلانات کئے جاتے رہتے ہیں یہ لولاجی کی "مسلم اقلیت" نوازی کی ایک روشن مثال ہے

گذشتہ انتخابات کے نتیجے میں بہار میں جب جنتا دل کی سرکاری بنی تو مسلمانوں نے اس سے بڑی امیدیں وابستہ کرلی تھیں۔ ان کا امیدیں وابستہ کرنا فطری بھی تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی زبردست حمایت کی وجہ سے یہ حکومت وجود میں آئی تھی کانگریس کے خلاف مسلمانوں نے منظم طریقے سے ایک جٹ ہوکر جنتا دل کو جتایا تھا۔ خود لالو پرساد بار بار اس حقیقت کا اعتراف کرچکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مسلم یادو اتحاد کا نعرہ دیا۔ لیکن جس کی حقیقت اپنے مفاد کے حصول سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوئی۔ وہ اپنی پانچ سالہ مدت وزارت پوری کرنے جارہے ہیں۔ مارچ 95 میں الیکشن بھی ہونے جارہا ہے۔ لیکن جب ہم اس پانچ سالہ مدت کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ ان کے دور حکومت میں بڑے بڑے وعدوں اور اعلانات کے علاوہ مسلم اقلیت کو کیا ملا؟

لالوجی نے اپنی پوری مدت وزارت صرف کھوکھلے نعروں اور پر فریب وعدوں اور اعلانات میں گزار دی۔ گذشتہ کانگریسی حکومت نے اردو ٹرانسلیٹر اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر اور ٹائپسٹ کی 800 پوسٹ منظور کی تھی۔ ان جگہوں کو پر کرنے کے لئے درخواستیں بھی وصول کرلی گئی تھیں موجودہ لالو حکومت کو صرف بحالی کرنی تھی۔ گذشتہ سال صرف 200 ٹائپسٹ کی تقرری عمل میں آئی ٹرانسلیٹر اور اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر کا تقرر آج تک نہ ہوسکا۔ اگر سبھوں کی بحالی ہوجاتی تو 800 گھروں میں چراغ جلتے۔ ان کی روزی روٹی کا مسئلہ حل ہوتا لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ انہیں میٹرک کا اسکیل دیا جاتا ہے جب کہ ہندی والوں کو بی اے کا اسکیل ملتا ہے لالوجی اس امتیاز کو بھی دور نہ کرسکے۔

گذشتہ حکومت نے ہی چار نئی یونیورسٹیوں کے قیام کا فیصلہ کیا تھا اور یہ بہار یونیورسٹیز ایکٹ میں شامل بھی ہیں تین یونیورسٹیاں بہت پہلے نام کی معمولی تبدیلی کے بعد قائم کی جاچکی ہیں اور باقاعدہ کام کررہی ہیں لیکن مولانا مظہر الحق عربی فارسی یونیورسٹی اب تک قائم نہ ہوسکی ہے۔ صرف مسلمانوں کو فریب دینے اور ان کی تسکین کے لئے وقتاً فوقتاً اعلانات کئے جاتے رہتے ہیں یہ لولاجی کی "مسلم اقلیت" نوازی کی ایک روشن مثال ہے۔

بہار اقلیتی مالیاتی کارپوریشن جو کہ مالی بحران کا شکار ہے ایک بے معنی اور غیر موثر ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ جس کے پاس کوئی فنڈ ہی نہیں ہے کہ اقلیتوں کے فلاحی پروجکٹ میں کوئی امداد دے سکے۔

ایک بات جو عام طور پر کہی جارہی ہے اور اس کا خوب زور وشور سے پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ لالو نے مسلمانوں کو جان ومال کا تحفظ دے رکھا ہے اور یہی ہمارے لئے بڑی بات ہے۔ اور ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ نعوذ باللہ لالو کی کیا حیثیت کہ وہ ہمیں بچاسکے۔ یہ احساس ہمارے ایمان کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ نہ کوئی نظم وضبط ہے اور نہ کوئی ڈسپلن۔ تعلیمی معیار روز بروز گرتا جارہا ہے۔ اساتذہ کو تنخواہیں دس دس ماہ تک نہیں ملتی ہیں۔ فاقے کی نوبت رہتی ہے۔ وہی حال اقلیتی اسکولوں کے اساتذہ کا ہے۔ آخر یہ امتیاز کیوں؟ بہار ٹکسٹ بک کارپوریشن نے اردو میں کتابیں پورا تعلیمی سال ختم ہوجانے کے بعد بھی شائع نہیں کیں مجبوراً طلباء کو ہندی میں کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں نتیجے کے طور پر اردو کا چلن کم ہورہا ہے۔ سکنڈری امتحانات کے سوالات اردو میں شائع کرنے کا اردو آبادی کا بہت پرانا مطالبہ ہے جو بار بار ہر سرکار میں دہرایا جاتا ہے۔ لالو جی کی مسلم اقلیت نواز حکومت میں یہ مطالبہ پورا نہ ہوسکا۔ سنی وقف بورڈ اور بہار اردو اکاڈمی کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ یہاں نظم بھی دہی ڈھیلا ڈھالا۔ ملازموں کی تنخواہوں کی ادائیگی کا معاملہ یہاں بھی ویسا ہی ہے۔ گذشتہ پانچ برسوں میں اکاڈمی نے کوئی قابل ذکر کام انجام نہیں دیا۔ اس ادارہ کو زبان وادب کی ترویج کے بجائے حکومت کی سیاست کے لئے زیادہ استعمال کیا جارہا ہے۔

پرائمری اردو ٹیچر کی تقرری کے سلسلے میں کئی سالوں سے اعلانات کئے جاتے رہے ہیں کہ 10 فیصد اردو ٹیچر بحال کئے جائیں گے۔ لیکن جب بحالی ہوئی تو صرف ساڑھے پانچ فیصد بحال کئے گئے وہی صورت حال داروغہ کی بحالی میں ہوئی 1680 بحالیاں ہوئیں مسلمان صرف 82۔ بعد میں حکومت نے 83 افراد کی لسٹ شائع کی جس کی صحت پر شبہ ہے۔ اگر اسے سچ مان بھی لیا جائے تب بھی پانچ فیصد نہیں ہوتا۔ حالانکہ دوسری طرف یادوؤں کے لئے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ ٹیچر کی بحالی ہو یا داروغہ کی بحالی ان کا تناسب دیکھ لیجئے 1980 میں 542 یادو داروغہ بحال کئے گئے۔ گذشتہ پانچ سالوں میں جو تقرریاں ہوئیں اس میں ان کا تناسب دیکھ لیجئے۔ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مختلف شعبوں میں انہوں نے اپنے کتنے لوگوں کو بٹھا رکھا ہے وہ دیکھ لیجئے۔ اور ہم کہاں کہاں ہیں اس کا اندازہ لگالیجئے کتنے بورڈ اور کارپوریشن میں ہمیں جگہ دی گئی؟ جب کہ آبادی کا تناسب بہار اور ان کا لگ بھگ برابر کا ہے۔ ہم اس حکومت کے بنانے میں برابر کے شریک ہیں کیا ہمیں ہمارا جائز حق ملا؟ جواب نفی میں ہے۔
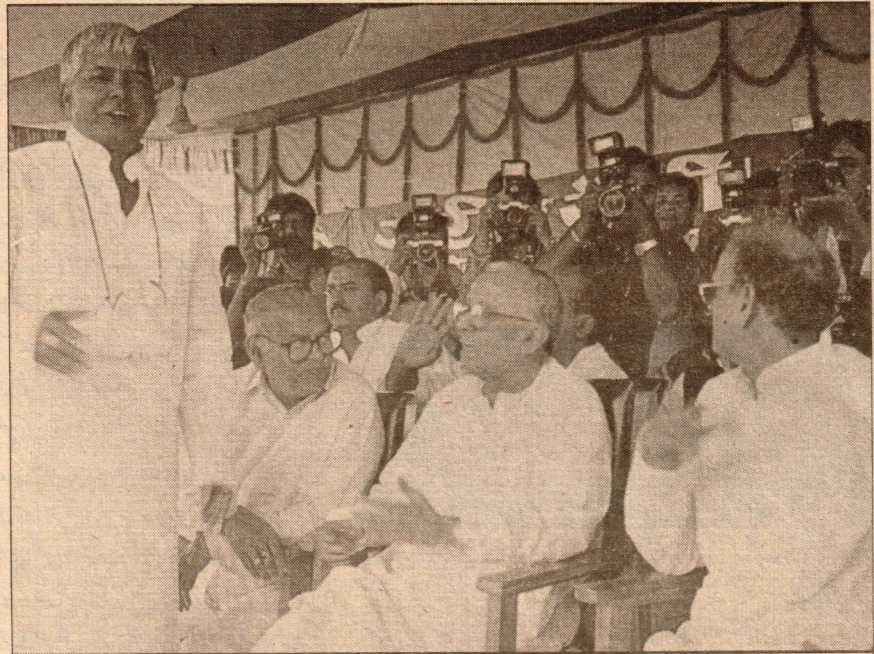
لالو یادو: ڈرامہ کرنے میں ماہر

ہماری سب سے بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم "ووٹ بینک" کے طور پر استعمال ہوجاتے ہیں ہمیں اپنی حیثیت واہمیت کا صحیح احساس نہیں۔

ایک بات جو عام طور پر کہی جارہی ہے اور اس کا خوب زور وشور سے پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ لالو نے مسلمانوں کو جان ومال کا تحفظ دے رکھا ہے اور یہی ہمارے لئے بڑی بات ہے۔ اور ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔ نعوذ باللہ لالو کی کیا حیثیت کہ وہ ہمیں بچا سکے۔ یہ احساس ہمارے ایمان کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ رہا فسادات کا معاملہ تو ایسا نہیں ہے کہ لالو کے دور میں فسادات نہیں ہوئے امام گنج کیا کا بھیانک فساد جہاں ڈھائی سو افراد قتل کئے گئے۔ سیتا مڑھی، سیوان، نوادہ پٹنہ سیٹی، سہسرام وغیرہ کے فسادات ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ لیکن ایک طرف سیتا مڑھی کے فسادیوں کو سزا دی گئی ہے اور دوسری طرف بھاگلپور کے فسادی آزادی ہی نہیں گھوم رہے ہیں بلکہ ان کے مقرب بن گئے ہیں ایسی صورت حال میں ہمیں ان کے خلوص پر شبہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے ان کی دوستی مخلصانہ نہیں بلکہ مفاد پرستانہ ہے۔

ہمیں زندہ رہنا ہے تو عزت ووقار کے ساتھ ہماری نئی نسلوں کو اچھی تعلیم ملے۔ ملازمت ملے۔ روزگار کے مواقع ہاتھ آئیں حکومت میں ہماری برابری کی حصہ داری ہو۔ یا ہم صرف نام کو زندہ رہیں۔ ہماری کوئی حیثیت نہ ہو۔ ہماری نسلیں جاہل ہوجائیں اور ہم خوش ہوتے رہیں کہ ہم زندہ تو ہیں۔ فساد سے محفوظ تو ہیں بس ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ یہ بہت ہی نازک مسئلہ ہے اور آنے والے وقت کا تیور اس کی سفاکی کا پتہ دے رہا ہے۔ اور یہی وقت سیاسی جماعتوں سے حساب وکتاب اور باز پرس کا ہوتا ہے۔ ان سے سخت باز پرس کریں اور اپنی آبادی کے لحاظ سے اپنا حصہ طلب کریں۔

بقیہ: ہندوستان گردے کی عالمی منڈی

کم وبیش دس ہے۔ چونکہ قانون کی رو سے گردہ بیچنا جرم نہیں ہے اس لئے اخبارات میں اس قسم کے اشتہارات بھی شائع ہوتے ہیں کہ گردہ بیچنے والے یہاں آئیں یہاں جدید طبی سہولتوں کے سہارے بغیر تکلیف کے گردے منتقل کیے جاتے ہیں۔

اس سے قبل بمبئی اور گووا میں یہ کاروبار چل رہا تھا لیکن مرکزی حکومت کے ہیومن آرگن ٹرانسپلانٹیشن ایکٹ کے ان ریاستوں کے ذریعے اختیار لے جانے کے بعد کہا جاتا ہے کہ وہاں سے یہ کاروبار بنگلور منتقل ہوگیا۔ بنگلور میں چونکہ جدید ترین طبی سہولیات میسر ہیں اور کرناٹک سے متصل ریاست تامل ناڈو بھی ہے جہاں کے بیشتر لوگ مفلسی سے مقابلہ کرنے کے لئے گردہ بیچتے ہیں۔ اس لئے بنگلور میں یہ دھندہ تیزی سے چل رہا تھا۔

کرناٹک اور تمل ناڈو میں غریبوں کی اکثریت اپنی شکم پروری کے لئے گردہ فروخت کرتی ہے۔ ہیلتھ ایسوسی ایشن آف انڈیا کے مطابق گذشتہ سال دو ہزار ہندوستانیوں نے اپنے گردے بیچے۔ آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں ایک سرجن ڈاکٹر سندیپ گلیریا کے مطابق ایک گردہ دو ہزار سال تک اپنا کام کرسکتا ہے اس لئے لوگ ایک گردہ فروخت کردیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بنگلور کا گردہ بازار ہندوستان کا تیسرا بڑا بازار ہے۔ بمبئی اور مدراس علی الترتیب پہلے اور دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ آل انڈیا سوسائٹی فار والینٹری ڈونیشن آف آرگن کے صدر شاہ جی لال تمبول کے مطابق بنگلور، بمبئی چنڈی گڑھ حیدر آباد اور جے پور میں تقریباً 60 ہزار گردے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل کئے جاچکے ہیں۔

بقیہ: پاکستان میں اسلامی انقلاب کی تیاری

پرزور مخالف کی گئی جس کے نتیجے میں بے نظیر کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں حکومت کی مالی مدد کے سہارے 80 کے دہے میں ہزاروں مدارس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ حکومت سے اب بھی ان مدارس کو مالی امداد ملتی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ان مدارس کو سو ملین روپے روزانہ دیے جاتے ہیں لیکن حکومت کا یہ بھی کہنا ہے کہ مدارس کے فنڈ کا بہت بڑا حصہ غیر ممالک سے آتا ہے جو اپنے اپنے مسلک کی تبلیغ کے لئے دیا جاتا ہے۔

اطلاعات کے مطابق پاکستانی مدارس میں اسلحوں کی بھرمار ہے اور 80 کے دہے میں طلباء کو ٹرینڈ کرکے افغانستان کے جہاد میں بھیجا جاتا تھا۔ اس وقت مدارس کے ذمہ داروں اور طلباء کی کوشش پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کی ہے۔ سابق چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اسلم بیگ کا بھی کہنا ہے کہ پاکستان میں ایک انقلاب آنے والا ہے اور پاکستان ایک خمینی کے انتظار میں ہے۔

اگر اسلم بیگ کی پیش گوئی کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور نظر آتی ہے۔ شاید اس کا احساس بے نظیر کو بھی ہے اور انہیں بھی ایک اسلامی انقلاب کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ اسی خطرے کے پیش نظر انہوں نے مدارس پر پابندی لگانے کا حکم صادر کیا ہو۔ لیکن حکومت میں ان کے ایک حلیف، جمعیۃ العلماء اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمن نے بھی اس حکم کی شدید مخالفت کی تھی اور حکم واپس نہ لینے کی صورت میں حکومت سے الگ ہوجانے کی دھمکی دی تھی۔ شاید اس دھمکی نے بھی انہیں مجبور کیا ہو کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لیں۔

بہر حال اس وقت کراچی زبردست تباہی وبربادی کے نرغے میں ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب قتل وغارت کی خبریں نہ آتی ہوں اور اجتماعی جنازے نہ نکلتے ہوں۔ اگر مدارس کے ذمہ داران اور مذہبی شخصیات واقعی پاکستان میں اسلامی انقلاب لانا چاہتے ہیں تو آپسی خون خرابہ ترک کرکے متحد ہوکر انہیں حکومت کے خلاف مہم شروع کرنی چاہیے بجائے اس کے کہ وہ عوام کا خون بہائیں انہیں چاہئے کہ وہ حکومت کو مجبور کریں کہ وہ پارلیامنٹ میں اس قسم کا بل لائے اور اسے پاس کراکے اسلامی نظام قائم کریں۔

امریکہ میں عرب تنظیموں پر پابندی کا خطرہ

اب امریکہ کے خوش حال مسلمان اپنے غریب فلسطینی بھائیوں کی مدد نہیں کر پائیں گے

ایسا لگتا ہے کہ امریکہ نے مسلمانوں خصوصا عربوں کو تنگ کرنے کا ایک نیا پروگرام ترتیب دے لیا ہے۔ اس الزام کے بعد کہ حماس امریکہ میں فنڈ جمع کر کے اسے اسرائیل پر حملوں کے لئے استعمال کرتی ہے اس بات کا اندیشہ بڑھ گیا ہے کہ کچھ ایسے قوانین بنائے جائیں جس سے عرب تنظیموں کو عطیہ دینا اگر غیر قانونی نہیں تو کم از کم بہت مشکل ہو جائیگا۔ امریکی مسلمانوں پر حماس کی مدد کرنے کا الزام سب سے پہلے اس وقت سننے کو ملا تھا جب 1992ء میں اسرائیل نے 4 سو سے زائد فلسطینیوں کو لبنان کے ایک ایسے علاقے میں جلاوطن کر دیا تھا جس پر کسی کا اقتدار اعلی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسرائیل پر حالیہ سرفروشانہ حملوں کے بعد یہ الزام پھر بڑی شدت سے دہرایا گیا ہے۔ خاص طور سے امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹافر، جن کی مغربی ایشیا پالیسی شام۔ اسرائیل محاذ پر بری طرح ناکام رہی ہے، اور نیو یارک میں اسرائیل کی کونسل جنرل کولیٹ الویٹل نے حماس پر یہ الزام لگایا ہے کہ اسکے کارکن امریکہ میں فنڈ جمع کر کے اسے اسرائیل پر حملوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اگرچہ امریکی انتظامیہ کے افسران کھلم کھلا یہ اعتراف نہیں کرتے کہ اس الزام کے بعد بعض عرب تنظیموں کے خلاف تفتیش ہو رہی ہے مگر خفیہ طور پر اتنا تسلیم کرتے ہیں کہ وارن کرسٹافر نے اسرائیل سے یہ "سیاسی وعدہ" کیا ہے کہ امریکہ ایسے قانونی طریقے تلاش کرے گا جس سے حماس کو امریکہ میں فنڈ اکٹھا کرنے سے روکا جاسکے۔

نیو یارک میں اسرائیل کی کونسل جنرل الویٹل کا الزام ہے کہ حماس امریکہ میں کئی ملین ڈالر جمع کر کے اسے اسرائیل کے خلاف حملوں کے لئے استعمال کرتی ہے۔ گذشتہ اکتوبر میں انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں تو یہ الزام بھی لگایا تھا کہ حماس نے امریکہ میں ایک خفیہ جال پھیلا رکھا ہے۔ جس میں سینکڑوں لوگ سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے یہ بھی الزام لگایا تھا کہ شکاگو کے باہر کہیں حماس کا ایک خفیہ کیمپ ہے جہاں اس کی ملٹری شاخ کے ماہرین نوجوانوں کو بم بنانے کی تربیت دیتے ہیں۔ الویٹل

> لیکن امریکہ سے شائع ہونے والے یہودیوں کے اخباروں نے یہ خبر نمایاں طور پر اور بڑی تفصیل سے شائع کی ہے کہ امریکہ عرب تنظیموں کو دئے گئے عطیات کی تحقیقات کر رہا ہے اور اس فکر میں ہے کہ کس طرح انہیں غیر قانونی قرار دے دیا جائے۔ جسٹس ڈپارٹمنٹ کے ایک ترجمان نے ان خبروں کو بے بنیاد بتایا ہے۔ مگر بعض دوسرے ذرائع سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ امریکی حکومت اس ضمن میں کسی ممکن اقدام کے بارے میں غور کر رہی ہے۔

نے ان الزامات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا مگر سنسنی خیز سرخیوں کے شیدائی اخباروں کے لئے انہوں نے کافی مسالہ فراہم کر دیا۔ دراصل اسرائیل پچھلے کئی مہینوں سے اس کوشش میں ہے کہ عرب تنظیموں پر پابندی لگوا دے۔ اسی لئے اپنے پرانے آزمودہ طریقے کے مطابق وہ جھوٹ اور افواہوں کا سہارا لیکر امریکی پریس کے ذریعہ عرب تنظیموں کی کردار کشی پر لگا ہوا ہے۔

ان اخباری رپورٹوں کی بنیاد پر اسرائیلی پروپیگنڈے کی تصویر کچھ یوں بنتی ہے۔ وہ یہ کہ حماس اسرائیل اور یہودیوں کے خلاف ایک جہاد برپا کئے ہوئے ہے جس میں امریکہ میں موجود مسلمانوں کی تنظیمیں اس کی مالی مدد کر رہی ہیں۔ اسرائیل کے مطابق سماجی کاموں کے لئے دئے گئے عطیات کا ایک اچھا خاصا حصہ حماس فوجی کاموں کے لئے استعمال کرتی ہے۔ بعض اخباری رپورٹوں میں تو یہ تک مذکور تھا کہ ILLINOIS کا ایک اسٹور حماس کے مقامی کمانڈ سنٹر کے طور پر کام کرتا ہے۔ اپنے الزام کے ثبوت میں، پریس رپورٹوں کے مطابق، اسرائیل بعض فلسطینیوں کی تقریروں کے ایسے حصے سناتے ہیں جنہیں ان کے سیاق و سباق سے کاٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔

اخباری رپورٹوں کے مطابق اسرائیل یہ تسلیم کرتا ہے کہ زیادہ تر فنڈ حماس کو ایران اور یورپ سے ملتا ہے۔ یہ فنڈ اردن کے راستے مقبوضہ علاقوں میں بھیجا جاتا ہے۔ اسحاق رابن نے ایک بار ایک پارلیمانی کمیٹی کے سامنے تو یہ تک کہہ دیا تھا کہ مقبوضہ علاقوں میں حماس کے کارکنوں کو احکام اردن سے صادر کئے جاتے ہیں۔ بہرحال یہ رپورٹیں زیادہ تر غیر سنجیدہ یا اسرائیل نواز اخباروں ہی میں شائع ہوئیں۔ اہم سنجیدہ اخباروں نے اس اسرائیلی پروپیگنڈے پر کم ہی توجہ دی ہے۔

لیکن امریکہ سے شائع ہونے والے یہودیوں کے اخباروں نے یہ خبر نمایاں طور پر اور بڑی تفصیل سے شائع کی ہے کہ امریکہ عرب تنظیموں کو دئے گئے عطیات کی تحقیقات کر رہا ہے اور اس فکر میں ہے کہ کس طرح انہیں غیر قانونی قرار دے دیا جائے۔ جسٹس ڈپارٹمنٹ کے ایک ترجمان نے ان خبروں کو بے بنیاد بتایا ہے۔ مگر بعض دوسرے ذرائع سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ امریکی حکومت اس ضمن میں کسی ممکن اقدام کے بارے میں غور کر رہی ہے۔

1993 میں اسرائیل نے دو عربوں محمد صلاح اور محمد جبرد جو امریکی شہری ہیں کو اس الزام میں گرفتار کر لیا تھا کہ وہ حماس کی مالی مدد کے لئے اسرائیل گئے تھے۔ اس وقت امریکہ نے اس اسرائیلی الزام پر اس کی تقریبا سرزنش سی کی تھی۔ مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ حماس امریکہ کی "فلسطین پالیسی" کے لئے ایک خطرہ بن گئی ہے۔ اس لئے وارن کرسٹافر کے الفاظ میں "اسے ختم کرنا ہوگا"۔ چنانچہ گذشتہ دنوں وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے یہودی اخباروں کی رپورٹوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ بے بنیاد نہیں ہیں۔ ان کی تصدیق مرکزی تفتیشی ادارہ F.B.I. بھی کریگا۔ مگر F.B.I. کے ایک ترجمان نے پوچھے جانے پر یہ کہا کہ ان کے ادارے نے ایسی کسی رپورٹ کی تصدیق نہیں کی ہے۔

بعض عرب اور عرب، امریکی تعاون کو فروغ دینے والی تنظیموں نے یہودی پروپیگنڈے کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ ان عربوں اور امریکیوں نے وہائٹ ہاؤس، اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ (امریکی وزارت خارجہ) اور ایف بی آئی کے افسران سے ملاقات کر کے ان سے یہ وعدہ لینا چاہا کہ محض بعض لوگوں کے سیاسی بیانات کی بنیاد پر ایف بی آئی عرب تنظیموں کے خلاف کوئی تحقیق نہیں کرے گی۔ مگر ایف بی آئی کے ڈائریکٹر نے ابھی تک ایسا کوئی بیان نہیں دیا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ مغربی ایشیا خصوصا فلسطین میں غریبوں کی امداد کے بہت سارے پروگرام فنڈ کی کمی کی وجہ سے بند ہو سکتے ہیں۔

بعض امریکی ماہرین قانون کے مطابق کسی شخص کو اسی وقت گرفتار کر کے اس پر مقدمہ چلایا جا سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس نے دانستہ ایک "دہشت گرد" تنظیم کی مدد کی ہے۔ مگر اکثر لوگ کورٹ کچہری کے جھنجھٹوں سے دور رہنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ اب عرب تنظیموں کو عطیات دینا بند کر دیں۔ اسی لئے امریکہ میں موجود یہودی لابی بعض عرب تنظیموں کو بھی "دہشت گرد" قرار دلوانا چاہتی ہے تاکہ عطیات سے محروم ہو جائیں۔ غالبا یہودیوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ امریکہ کے خوش حال مسلمان اپنے غریب فلسطینی بھائیوں کی مدد نہ کر سکیں۔ نوٹ: تازہ اطلاع کے مطابق تقریبا تیس عرب مسلم تنظیموں کے فنڈ منجمد کر دئے گئے ہیں۔

"مسلمان خوں خوار، بدہیئت، جنونی اور خطرناک ہوتے ہیں"

مسلمانوں کے خلاف ایک امریکی میگزین کا گھناونا پروپیگنڈہ

مقبول ترین امریکی ادبی میگزین نیو یارکر نے سرورق پر مسلمانوں کی فی زمانہ مروجہ اسٹیریو ٹائپ جو تصویر پیش کی ہے وہ ہے ایک باریش، خونخوار چشم، بدہیئت، تخریب کار، جنونی اور غضبناک شخص کی۔

اسی طرح ایک کارٹون میں صورت سے عرب لگنے والے مسلم نوجوانوں کو ایک ساحل پر دو امریکی نوجوانوں کے بنائے ریت کے گھروندوں کی مسماری پر آمادہ دکھایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امریکہ میں آباد مسلمانوں کے لئے اس کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ مسلم انتہا پسند امریکہ کے تئیں باغیانہ رویہ رکھتے ہیں جو نہ صرف اس کی اقدار اور رواداری پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں بلکہ امریکی بچوں کے بنائے ریت کے گھروندوں کو بھی ڈھانے کی نیت رکھتے ہیں۔ لیکن امریکی میڈیا میں مسلمانوں کی خواہ باریش اور بدہیئت قاتلوں کے روپ میں یا کسی قدر ہلکے انداز میں پسماندہ، جاہل کی حیثیت سے اسٹیریو ٹائپ تصویر پیش کی جاتی رہی ہو یہ رجحان کوئی نیا نہیں ہے۔ اس رویے سے یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ مسلم دنیا اور مغربی دنیا میں داخلی سطح پر ایک نامطابقت جاری و ساری ہے اور دونوں میں ثقافتی تصادم کی صورت پیدا ہونے والی ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر سیموئل ہنٹنگٹن کا خیال ہے کہ اس تصادم کے نتیجے میں امریکہ اور مغربی دنیا میں اسلام کمیونزم کی جگہ لینے والا ہے جس سے انہیں خائف بھی ہونا چاہئے اور اس پر قانع بھی۔ ثقافتی تصادم کے نظریہ کے سوال پر میڈیا اور علمی حلقوں کی طرف سے ہنٹنگٹن کی اگرچہ کافی مذمت ہوئی ہے لیکن تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ان کے خیالات آہستہ آہستہ لوگوں کے ذہنوں میں گھر کر رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ شرق اوسط کے امور کے ماہرین ثقافتی تصادم کے نظریہ کو لایعنی اور ناقابل قبول قرار دے رہے ہیں اور یہ دعوی کر رہے ہیں کہ ہنٹنگٹن نواز ماہرین شرق اوسط کی کمی نہیں ہے اور وہی اس سے متفق ہو سکتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی ماہرین امور شرق اوسط امریکی آبادی کا ایک اچھا خاصا حصہ ہیں۔

لیکن امریکہ میں اسلام کے بارے میں لوگوں کے خیالات میں کافی تبدیلی آئی ہے اور اس کی ایک بڑی وجہ وہ ملاقاتیں اور میڈیا انٹرویوز ہیں جو ڈاکٹر اسپوسٹیو نے وقتا فوقتا دئے ہیں اور مذہب پر ان کے خیالات امریکیوں کے ذہن پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر جان اسپوسٹیو مسلم اور عیسائی دنیاؤں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے فقط ایک ادارے کے سربراہ ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے ایک اہم کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کسی ازم کی صورت اختیار نہیں کرنے والا ہے کہ خائف ہو کر اس سے نبرد آزما ہوا جائے۔ اپنی کتاب "اسلامی خطرہ تصور یا حقیقت" میں ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے کہ اسلامی بنیاد پرستی یا دہشت گرد اسلام کا تصور مغرب کے لئے ایک خطرے کی حیثیت سے مغربی حکومتوں اور میڈیا کے ذہنوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ کمیونزم اور خیر و شر کے نظریاتی تصادم کی عادی امریکی خارجہ پالیسی کی ناکامی کے بعد اس کی خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے کسی دوسرے عالمی خطرے کی نشاندہی کر لینا بڑی غلطی ہوگی۔ انہوں نے اس طرف سے بھی آگاہ کیا ہے کہ سرد جنگ کے خاتمے سے پیدا شدہ خلاء کو اسلام کے مبالغہ آمیز خوف سے نہیں پر کرنا چاہئے جس کے زیر اثر یہ سمجھا جائے کہ اسلام کوئی باغی اور شرپسند طاقت ہے جو نئے عالمی نظام سے برسرپیکار ہے اور عالمی استحکام کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اسپوسٹیو کا خیال ہے کہ امریکہ میں اسلام سے لوگوں کی واقفیت بڑھی ہے لیکن اس واقفیت کے حصول کے محرکات ہیں ایرانی انقلاب اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر بمباری جیسے واقعات اور ان سے جنم لینے والے خطرات کا تصور۔

> ایک کارٹون میں صورت سے عرب لگنے والے مسلم نوجوانوں کو ایک ساحل پر دو امریکی نوجوانوں کے بنائے ریت کے گھروندوں کی مسماری پر آمادہ دکھایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امریکہ میں آباد مسلمانوں کے لئے اس کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ مسلم انتہا پسند امریکہ کے تئیں باغیانہ رویہ رکھتے ہیں جو نہ صرف اس کی اقدار اور رواداری پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں بلکہ امریکی بچوں کے بنائے ریت کے گھروندوں کو بھی ڈھانے کی نیت رکھتے ہیں۔

اسلام پسندوں کی بڑھتی قوت اور فرانس جیسے دیرینہ رفیق کی ناراضگی

الجزائر کی فوجی حکومت بوکھلاہٹ کی شکار

الجزائر کی ظالم فوجی حکومت اس وقت بوکھلاہٹ کا شکار ہے۔ ایک طرف تین سالہ ایمرجنسی ہزاروں معصوموں اور اسلام پسندوں کی گرفتاری اور سرکاری دہشت گردی حکومت مخالف سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہی ہے تو دوسری طرف اس کے سب سے بڑے مغربی حلیف فرانس سے تعلقات کشیدہ ہوگئے ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ فروری 92 میں الجزائر کے حکمرانوں نے پارلیمانی انتخابات اس لئے ملتوی کردیے تھے کہ اسلامی نجات پارٹی کی جیت تقریبا یقینی تھی مگر یہ حکمرانوں اور ان کے مغربی ہمنواؤں کو پسند نہ تھی فرانس نے خاص طور سے اس وقت کے الجزائری حکمرانوں پر دباؤ ڈالا تھا کہ انتخابات رد کرکے اسلامی نجات پارٹی کو ممکنہ فتح سے محروم کردیا جائے۔ کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ ایک بار اسلام پسند جماعت کے اقتدار میں آنے کے بعد الجزائر کا مغرب زدہ طبقہ ترک وطن کرکے فرانس چلا جائے گا جو فرانسیسی معیشت کے لئے نقصان دہ ہوگا۔

اسلام پسندوں کا ایک گروپ اپنی حکمت عملی طے کرنے میں مصروف

یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ الجزائر میں اس وقت دو طرح کے لوگ بستے ہیں ایک وہ طبقہ ہے جو فرانسیسی زبان بولتا اور فرنچ کلچر کا دلدادہ ہے 1962 میں حاصل ہوئی آزادی کے بعد سے یہی طبقہ حکمران رہا ہے۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو عربی بولتا ہے۔ یہ اکثریتی طبقہ غریب اور محروم لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں اچھے خاصے پڑھے لکھے اور بے روزگار نوجوان بھی ہیں۔ دراصل الجزائر کی سوا دو کروڑ آبادی میں سے تیس فیصد وہ نوجوان ہیں جو 17 سے 29 سال کی درمیانی عمر میں ہیں۔ ان کی اکثریت بے روزگار ہے۔ یہی نوجوان اسلامی نجات پارٹی کے سرگرم کارکن رہے ہیں یہ اس فرانسیسی زبان بولنے والے طبقے سے ناراض ہیں جس نے فرانس کی ساری دولت، تجارت، انتظامیہ اور فوج پر قبضہ کررکھا ہے اور جیسے غریب اکثریت کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔

اسلامی نجات محاذ نے ان غریب عربی بولنے والے بے روزگار نوجوانوں کو منظم کیا ان کی فلاح وبہبود کے کام اور پروگرام شروع کئے۔ اسی کے ساتھ ان کے اندر سیاسی شعور بھی بیدار کیا گیا۔ ان سب کا نتیجہ تھا کہ 1990 کے مقامی وعلاقائی اداروں کے انتخابات میں اسلامی نجات محاذ کو زبردست کامیابی ملی۔ اگرچہ متناسب نمائندگی کے اصول کی وجہ سے اس کی عظیم کامیابی کو کم کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس کے باوجود محاذ نے 856 میونسپل کارپوریشنوں پر قبضہ کرلیا۔ ان مقامی وعلاقائی اداروں میں اچھی کارکردگی کے مظاہرے کے بعد اسلامی نجات محاذ الجزائر کے عوام میں مزید مقبول ہوگیا۔ چنانچہ 1991۔1992 کے عام انتخابات کے پہلے مرحلے میں اسے زبردست کامیابی ملی یہ بات تقریبا یقینی تھی کہ دوسرے مرحلے کے انتخابات کے بعد محاذ کو اقتدار مل جائے گا۔ مگر الجزائری حکمرانوں اور ان کے ہمنوا مغربی ممالک خصوصا فرانس کی سازش کی وجہ سے ان انتخابات کو رد کرکے محاذ کو ممکنہ اقتدار سے محروم کردیا گیا۔ مارچ 1992 میں محاذ پر پابندی لگا کر اس کے سرکردہ رہنماؤں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ ہزاروں

> فرانس دراصل اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح موجودہ ظالم الجزائری حکمرانوں سے ناطہ توڑ کر خود کو ملک کے اندرونی معاملات سے نہ صرف الگ کرلے بلکہ اگر موقع ملے تو اپوزیشن سے تعلقات بڑھا کر انہیں اقتدار دلانے میں مدد بھی کرے تاکہ بعد میں ان کی پالیسیوں پر کم از کم اتنا ضرور اثر انداز ہوسکے جس سے بڑی تعداد میں مغرب زدہ طبقہ فرانس کا رخ نہ کرے۔

کارکنوں کو گرفتار کرکے انہیں اذیتیں دی گئیں۔ مگر ان سب کے باوجود حکومت اسلام پسندوں کو دبانے میں ناکام رہی ہے۔ بلکہ جمہوریت میں یقین رکھنے والے اسلامی نجات محاذ کی اسلامی نجات فوج کی بہ نسبت ایک دوسرا زیادہ شدت پسند گروہ سامنے آگیا جو اسلامی مسلح گروپ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ

باقی صفحہ ۱۲ پر

نیویارک بم دھماکہ کے ملزموں کے خلاف عدالتی کارروائی کے دوران زبردست حفاظتی انتظام

امریکی حکمرانوں کے ہوش وحواس پر اب بھی مسلم انقلابیوں کی ہیبت طاری ہے

26 فروری 1993 کو نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں ایک بم دھماکے میں 6 امریکی ہلاک اور ایک ہزار سے زائد زخمی ہوگئے تھے۔ اس ضمن میں سازش کے الزام میں 12 عربوں کو گرفتار کیا گیا ہے جن میں مشہور مصری عالم شیخ عمر عبدالرحمن بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں پر یہ الزام ہے کہ یہ نیویارک کے اہم مقامات کو بم سے اڑانے کی سازش کر رہے تھے۔ سال بھر سے زائد عرصے سے چل رہی تحقیق کے بعد اب پولیس نے ان لوگوں کے خلاف فرد جرم تیار کرکے پیش کردی ہے۔ مقدمہ جج مائیکل مکاسے کی عدالت میں چلے گا جن کی پولس پچھلے دو ماہ سے حفاظت کر رہی ہے۔ امریکی قانون کے مطابق اس مقدمے کو شنوائی پوری ایک جیوری کرتے گی جس کے انتخابات کا عمل گذشتہ جنوری میں شروع ہوگیا۔ ملزموں کے وکیلوں کو جیوری کے متوقع ممبروں سے سوالات کرنے کا حق حاصل ہے چنانچہ گذشتہ جنوری میں متوقع ممبران جیوری سے شیخ عمر عبدالرحمن اور گیارہ دوسرے عربوں کے وکیلوں نے مختلف سوالات پوچھے مثلا یہ کہ مذہبی عقائد کے بارے میں ان کے خیالات کیا ہیں یا یہ کہ اسلام کے بارے میں کیا سوچتے اور کیا جانتے ہیں۔

سرکاری وکیلوں کا کہنا ہے کہ اس "سازشی گروہ" کا پتہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی بمباری کی تفتیش کے دوران ملا۔ شیخ عبدالرحمن نیوجرسی میں 1990 سے قیام پذیر ہیں سرکاری وکیلوں کا ان پر الزام ہے کہ انہوں نے اپنے خطبات میں اپنے پیروکاروں کو امریکہ کے خلاف دہشت گردی پر ابھارا ہے۔ ان پر اور گیارہ دوسرے "ملزموں" پر یہ الزام بھی ہے کہ یہ گروہ فیڈرل بیورو آف انٹیلی جنس کے مقامی دفتر یہودیوں کی زیورات کی دکانوں، اقوام متحدہ کے دفاتر اور نیوجرسی اور مین ہٹن کو جوڑنے والی سرنگ کو بموں سے اڑانے کا پلان بنا رہا تھا۔

شیخ عمر اور دوسرے "ملزموں" نے ان بے بنیاد الزامات کی تردید کی ہے۔

امریکی عدالت نے دریں اثناء یہ فیصلہ کیا ہے کہ جیوری کے 18 ممبران جن میں چھ متبادل بھی شامل ہیں، کے نام حفاظت کرکے پیش نظر مخفی رکھے جائیں گے۔ کمرہ عدالت تک عام پبلک کو بھی جانے کی اجازت نہ ہوگی، اسی طرح پریس کو مقدمے کی رپورٹنگ کے لیے محدود اجازت حاصل ہوگی۔

سرکاری وکیلوں اور ملزموں کے وکیلوں دونوں ہی نے متوقع جیوری ممبران سے درجنوں سوالات کئے ہیں جو بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ بعض اہم سوالات یہ ہیں "کیا آپ عربوں کو جانتے ہیں" کیا آپ عربوں کے ساتھ کام کرتے ہیں، کیا آپ لفظ جہاد سے واقف ہیں؟ آپ کے نزدیک اس کا مفہوم کیا ہے، کیا آپ نے کبھی مصر کا سفر کیا ہے اور کیا آپ کوئی غیر ملکی زبان بولنے پر قادر ہیں"

شیخ عمر عبدالرحمن اور ان کے دوسرے ساتھی اخباری نامہ نگاروں کے ساتھ

شیخ عمر عبدالرحمن کی وکیل لین اسٹیورٹ کو امید ہے کہ مقدمہ ایک اچھی جیوری کے سامنے پیش ہوگا اگرچہ ایک ایسی جیوری کا انتخاب مشکل کام ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ مقدمہ سال بھر تک چل سکتا ہے۔ اسٹیورٹ یہ بھی کہتی ہیں کہ 56 سالہ شیخ عمر کے خلاف کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں ہے۔ محض یہ بات کہ وہ نیوجرسی کی مسجد میں جہاد کی تبلیغ کرتے رہے ہیں جس کی انہیں امریکی قانون کے مطابق آزادی حاصل ہے، اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ سامعین کو قتل کی ترغیب دیتے رہے ہیں، اس کے مقابلے میں سرکاری وکیلوں کا دعوی ہے کہ انہوں نے شیخ عمر کے خلاف شہادت ان کی تقریروں سے ادھر ادھر سے جملے کاٹ کر اور انہیں ایک جگہ جمع کرکے پیش کی ہے۔ بلکہ یہ لوگ امریکہ کے خلاف ایک مذہبی جنگ میں یقین رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق نیویارک کے اہم مقامات کو بم سے اڑانا چاہتے تھے۔

امید ہے کہ مقدمہ کافی مدت تک چلے گا۔ موجودہ سیاسی حالات میں اس کی کم ہی امید ہے کہ شیخ عمر کو انصاف مل سکے۔ واضح رہے کہ شیخ کو ایک مصری عدالت نے اپریل 1994 میں پہلے ہی سات سال جیل کی سزا سنائی ہے کیونکہ اپنے قیام مصر کے دوران انہوں نے ایک جلوس نکالا تھا جس کے دوران تشدد میں ایک پولیس مین زخمی ہوگیا تھا۔

> سرکاری وکیلوں اور ملزموں کے وکیلوں دونوں ہی نے متوقع جیوری ممبران سے درجنوں سوالات کئے ہیں جو بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ بعض اہم سوالات یہ ہیں "کیا آپ عربوں کو جانتے ہیں" کیا آپ عربوں کے ساتھ کام کرتے ہیں، کیا آپ لفظ جہاد سے واقف ہیں؟ آپ کے نزدیک اس کا مفہوم کیا ہے، کیا آپ نے کبھی مصر کا سفر کیا ہے اور کیا آپ کوئی غیر ملکی زبان بولنے پر قادر ہیں"

فلسطینی جاں بازوں کے شہیدانہ حملوں سے اسرائیل لرز اٹھا

ایمن راضی۔ انور صقر اور صلاح شاکر کے بعد فلسطینی نوجوانوں میں جذبہ شہادت موجیں مارنے لگا

ایمن راضی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گذشتہ دنوں اسلامی جہاد سے تعلق رکھنے والے دو فلسطینی

شہیدانہ حملے کے نتیجے میں اسرائیلی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے

جاں نثاروں، انور صقر اور صلاح شاکر، نے ایک سرفروشانہ حملے کے ذریعہ 21 اسرائیلیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس حملے کی مزید تفصیلات سامنے آئی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر فلسطینی نوجوان جذبہ شہادت سے معمور ہیں اور اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے ہمہ آن تیار رہتے ہیں۔

انور صقر اور صلاح شاکر کے دوستوں اور رشتہ داروں کے مطابق یہ دونوں ہی خاموش طبیعت کے اور سلجھے ہوئے نوجوان تھے۔ دوستوں اور رشتہ داروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کسی دن یہ دونوں نوجوان اسرائیلی ٹھکانوں پر شہیدانہ حملہ کر سکتے ہیں۔

واقعہ سے کچھ روز قبل انور صقر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے گیا۔ وہ بعض لوگوں کا مقروض تھا ان کا قرض ادا کرنے کے بعد وہ مزید دوستوں سے ملنے گیا۔ اس نے ان سے یہ بتائے بغیر کہ اس کا ارادہ اسرائیل کے خلاف حملہ کرنا ہے، لوگوں سے اپنی "خطاؤں" کی معافی تلافی کی۔ اس کے بعد خاموشی سے وہ اپنے دوست صلاح شاکر کے ساتھ غازہ پٹی سے نکل کر اسرائیل میں گھس گیا۔ تل ابیب سے باہر ایک بس اسٹاپ پر جہاں اکثر اسرائیلی فوجی آتے ہیں۔ ان دونوں سرفروشوں نے حملہ کیا جس سے بیس فوجی اور ایک شہری ہلاک اور درجنوں زخمی ہوگئے۔

> کچھ روز قبل انور صقر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے ملنے گیا۔ اس نے ان سے یہ بتائے بغیر کہ اس کا ارادہ اسرائیل کے خلاف حملہ کرنا ہے، لوگوں سے اپنی "خطاؤں" کی معافی تلافی کی۔ اس کے بعد خاموشی سے وہ اپنے دوست صلاح شاکر کے ساتھ غازہ پٹی سے نکل کر اسرائیل میں گھس گیا۔ تل ابیب سے باہر ایک بس اسٹاپ پر جہاں اکثر اسرائیلی فوجی آتے ہیں۔ ان دونوں سرفروشوں نے حملہ کیا جس سے بیس فوجی اور ایک شہری ہلاک اور درجنوں زخمی ہوگئے۔

صقر اور شاکر رات میں اسرائیلی پہریداروں سے نظریں بچا کر بس اسٹاپ کے پاس پہونچے تھے وہ اپنے بدن سے بم باندھ کر کئی گھنٹے اس انتظار میں رہے کہ وہاں کافی تعداد میں فوجی جمع ہوجائیں جب بس اسٹاپ پر اچھی خاصی بھیڑ جمع ہوگئی تو ان دونوں نے یکے بعد دیگرے حملہ کیا۔

اپنے بدن سے بم باندھ کر دشمن پر اس یقین کے ساتھ حملہ کرنا کہ حملہ آور کی اپنی موت یقینی ہے بظاہر ایک ناقابل یقین بات ہے۔ مگر چشم فلک نے ارض فلسطین پر ایسے مناظر بارہا دیکھے ہیں۔ ایسے سرفروشانہ حملے یا تو پاگل کر سکتے ہیں یا وہ لوگ جنہیں اپنے مقصد سے گہرا لگاؤ ہو۔ ایسا مقصد جس کے لئے جینا، جہاد کرنا اور وقت پڑنے پر جان کی بازی تک لگادینا قابل فخر تصور کیا جاتا ہو۔ صقر اور شاکر بھی ایسے ہی نوجوان تھے۔ وہ اس یقین کے ساتھ جی رہے تھے کہ ان کا وطن عزیز دشمن فوجوں کے قبضہ میں ہے جسے ازاد کرانا ان کا فرض اولین ہے۔ انھیں یہ یقین بھی تھا کہ ایسے عظیم مقاصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی بھی دی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اس یقین کے ساتھ اپنی جان جاں آفریں کے حوالے کردی کہ ان شاء اللہ فلسطین ایک نہ ایک دن آزاد ہوگا اور ان کی قوم آزادی کی پاک فضاؤں میں سانس لے سکے گی۔

حماس اور اسلامی جہاد دو تنظیمیں ہیں جو ایک منصوبے کے تحت گاہے بگاہے اسرائیلی ٹھکانوں پر سرفروشانہ حملے کرتی رہتی ہیں۔ دونوں ہی تنظیموں کا دعوی ہے جس کی تصدیق دوسرے آزاد ذرائع سے بھی ہوتی ہے کہ ان حملوں کے بعد ان گنت فلسطینی نوجوان سامنے آکر درخواست کرتے ہیں کہ انھیں بھی شہیدی دستوں میں شامل کرلیا جائے تاکہ آزادی وطن کی قربانگاہ پر وہ اپنی جان نچھاور کر سکیں۔

انور صقر 25 سال کا ایک صالح نوجوان تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے خدا سے بغیر کسی گناہ کے ملنا چاہتا ہے جس کا سب سے بہتر طریقہ شہادت کی موت ہے۔ غازہ شہر کا یہ صالح اور پرعزم نوجوان اپنے ساتھیوں سے اکثر کہتا کہ ظالم اسرائیلی نے ہمارے وطن پر قبضہ کر رکھا ہے اور اسے اس کی سزا ملنی چاہئے۔ مغربی پریس صقر جیسے فلسطینی جانبازوں کو مذہبی جنونی کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ مگر اس کے دوستوں سے جب یہ معلوم ہوا کہ وہ انتہائی خاموش طبیعت اور ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا تو مغربی صحافی بھی تعجب میں پڑ گئے۔ جب اسلامی جہاد نے یہ اعلان کیا کہ صقر نے جام شہادت نوش کرتے ہوئے اسرائیل پر حملہ کیا ہے تو اس کے سارے ہی دوست صدمے سے نڈھال ہوگئے۔ صقر کچھ ایسا ہی ہر دلعزیز تھا۔

27 سالہ صلاح شاکر جنوبی غازہ پٹی کی ایک آبادی رفاہ کا رہنے والا تھا وہ بھی صقر کی طرح خاموش طبیعت انسان تھا۔ وہ ایک اچھا شاعر اور پینٹر بھی تھا۔ وہ اکثر اپنی ماں سے اس خواہش کا اظہار کرتا کہ وہ اپنے مقصد اور قوم کی خدمت کرتے ہوئے اپنے خدا سے ملنا چاہتا ہے۔ صلاح کی ماں کہتی ہیں۔ "صلاح اکثر مجھ سے شہادت کی موت کی تمنا کا اظہار کرتا۔ اس نے گھر میں شہادت کے لئے ایک ساز گار ماحول پیدا کر رکھا تھا۔"

شہادت کے متوالے آزادی وطن کے لئے اپنی جان تک کی بازی لگا گئے۔ شہیدوں کا یہ خون رائگاں نہ جائے گا اور فلسطین ایک نہ ایک دن ضرور آزاد ہوگا۔

دفاعی اخراجات میں

تیل پیدا کرنے والے عرب

تیل کی قیمتوں میں گراوٹ کی وجہ سے تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کی آمدنی میں فطری طور پر خاطر خواہ کمی واقع ہوئی ہے۔ پہلی بار سعودی عرب نے مختلف قسم کے ٹیکس عائد کرنے کے علاوہ بعض دوسرے ایسے ذرائع بھی اختیار کئے ہیں جن سے اس کی آمدنی میں اضافہ ہوسکے۔ مزید آمدنی کے لئے سعودی عرب نے ویزے کی فیس میں زبردست اضافہ کیا ہے یعنی 50 ریال سے ایک ہزار ریال جس سے غریب ہندوستانی مزدوروں کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ سعودی عرب کے ساتھ کویت بھی تیل کے علاوہ دوسرے ذرائع سے اپنی آمدنی بڑھانے پر مجبور ہوا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریبا سارے ہی تیل پیدا کرنے والے ممالک مالی دشواریوں سے دو چار ہیں۔

> عرب ممالک کے دفاعی اخراجات میں ... گیا ہے۔ ہتھیاروں کی خرید، فوج اور پولیس ... زیادہ خرچ کر رہے ہیں جب کہ رقم کی ...

مگر اس کے باوجود ان عرب ممالک کے دفاعی اخراجات میں نہ صرف یہ کہ کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ ان میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ ہتھیاروں کی خرید، فوج اور پولیس کی تنخواہوں پر بعض عرب ممالک اپنے بجٹ کا پچاس فیصد سے زیادہ خرچ کر رہے ہیں جب کہ رقم کی مقدار کے اعتبار سے سعودی عرب اور دوسرے خلیجی ممالک عرب لیگ کے

حرم مکی کے امام شیخ خیاط کی وفات عالم اسلام کے لئے نقصان عظیم

سعودی عرب کے معروف عالم دین شیخ عبداللہ عبدالغنی خیاط کا 8 جنوری 1995 کو نواسی سال کی عمر میں انتقال ہوگیا (اناللہ وانا الیہ راجعون) وہ تیس سال سے حرم مکی میں امام و خطیب کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ شیخ خیاط معروف مفسر قرآن اور ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ ملک کے علماء کی مجلس اعلی کے اکیس سال تک ممبر بھی رہے اور ابھی تین سال قبل خرابی صحت کے باعث اس مجلس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے تھے۔

شیخ خیاط 1908 میں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ عبدالغنی بن محمد خیاط نے جو شامی الاصل تھے مکہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ کو معقول طور پر اسلامی تعلیم دلانے کا ارادہ کیا اور انہیں حرم مکی میں اسلامی درس میں شریک کرا دیا گیا۔ محمد الجعفری جنہوں نے شیخ خیاط پر ایک کتاب تصنیف کی ہے ان کے قول کے مطابق عبداللہ نے قرآن مجید حفظ کرنے کی غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور اس کے علاوہ مدارس میں پڑھائے جانے والے دیگر مضامین میں بھی گہری دلچسپی کا ثبوت دیا۔ حرم مکی کے موجودہ امام و خطیب اور حرمین شریفین سے متعلق امور کی کمیٹی کے سربراہ شیخ محمد السبیل امام و خطیب اور عظیم استاد کی حیثیت سے شیخ خیاط نے جو خدمات انجام دیں انہیں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

شیخ عبداللہ خیاط کا تقرر حرم مکی کے امام کی حیثیت سے شیخ عبدالظاہر ابو صمیعہ کے ہمراہ 1925 میں ہوا تھا۔ 1935 میں شاہی مدرسے کے ناظم کا منصب سنبھالنے کے لئے ریاض چلے گئے جہاں شاہ عبدالعزیز کے بیٹے ان کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کی غرض سے وہ ریاض میں سترہ سال تک مقیم رہے۔ وہ امیر سلطان، امیر عبدالرحمن، امیر متعب، امیر مشعل، امیر مشری جیسے لوگوں اور شاہ عبدالعزیز کے دیگر بیٹوں کے استاد رہ چکے ہیں اور یہ سب ان کی تجوید قرآن کے شائق و شیدائی ہیں۔

شیخ عبداللہ خیاط کے سب سے بڑے بیٹے ڈاکٹر عبدالرحمن کا بیان ہے کہ شیخ خیاط ان چند نمایاں شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے اسلامی تعلیمات و اقدار کے مطابق اپنی اولاد کی تربیت پر حد درجہ توجہ دی۔ وہ نوجوانوں کو ہی نہیں بلکہ بڑی عمر کے لوگوں کو بھی اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کی تلقین و نصیحت کرتے رہتے تھے۔

حرم مکی کے امام اور خطیب بنائے جانے سے پہلے شیخ خیاط شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں تراویح کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جن کی تجوید قرآن سعودی عرب میں پہلے ریکارڈ کی گئی اور پوری دنیا میں لاکھوں افراد ان قرآت کے کیسٹ ذوق و شوق کو سے سنتے تھے۔

چونکہ شیخ خیاط نے اپنی زندگی کا آغاز تدریس سے کیا تھا اس لئے مملکت کے اندر ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں پائی جاتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں دائرکٹر سررشتہ تعلیم اور وزارت تعلیم کے مشیر کے منصبوں پر مامور ہونے سے پہلے وہ وہاں کے شریعہ کالج کے ڈین بھی رہ چکے تھے۔ ڈاکٹر عبدالرحمن نے بتایا کہ ان کے والد شاہ عبدالعزیز کے وقت سے ہی سعودی شاہی خاندان سے بہت قریب تھے۔ اس کے افراد شیخ کی بہت تکریم کرتے تھے اور مختلف مذہبی معاملات میں ان سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ شیخ کے دوسرے بیٹے ڈاکٹر عبدالعزیز خیاط نے اپنے والد کی بعض خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے شاگردوں میں حکومت کے اعلی عہدیدار اور عام افراد بھی تھے اور شیخ ہر شخص کے ساتھ یکساں طور پر مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے۔

اس شمارے کی قیمت چار روپے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفاء آسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49 ابوالفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔25 سے شائع کیا
فون۔6827018

یروشلم اور یہودی باز آبادی کے مسئلے پر اسرائیل کے اڑیل رخ سے

قاہرہ کی عرب اسرائیل سربراہ کانفرنس ٹائیں ٹائیں فش

ایمن راضی، انور صقر اور صلاح شاکر کے شہیدانہ حملوں نے نام نہاد اسرائیل۔ پی ایل او مذاکرات کو کچھ دنوں کے لئے سرد خانے میں ڈال دیا

تھا جسے دوبارہ زندہ کرنے کے لئے قاہرہ میں ایک عرب۔ اسرائیل سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اسحاق رابن، شاہ حسین، حسنی مبارک اور یاسر عرفات نے شرکت کی۔ کانفرنس کے بعد ایک مشترکہ اعلامیہ جاری ہونا تھا جو اہم مسائل پر اتفاق رائے نہ پیدا ہونے سے جاری نہیں کیا جاسکا۔ کانفرنس کے بعد اس میں شریک رہنماؤں یا ان کے ترجمانوں نے پریس کانفرنس سے جو کچھ کہا اسی سے یہ معلوم ہوا کہ تشدد اور دہشت گردی کی مذمت کے علاوہ کسی مسئلے پر اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ اگرچہ بعد میں ایک پریس کانفرنس میں مصری وزیر خارجہ عمرو موسی نے یہ دعوی کیا کہ اس کانفرنس نے مغربی ایشیا مذاکرات کو دوبارہ زندگی عطا کی ہے۔

مگر تجزیہ نگاروں کے مطابق کانفرنس انتہائی نازک مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہی ہے۔ مثلا

دوسرا بڑا مسئلہ ظاہر ہے عرب علاقوں میں نئی یہودی آبادیوں کی تعمیر کا ہے۔ اس مسئلے پر بھی، ایسا لگتا ہے اسرائیل نے غیر لچکدار رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ ساری دنیا کہہ رہی ہے کہ یہ یہودی نو آبادیاں امن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، خصوصا بعض یہودی بستیاں جو سراسر عربوں کے بیچ میں واقع ہیں مثلا حبرون میں، انہیں ہٹائے بغیر عرب اور یہودی عوام کے مابین خیرسگالی کے جذبات نہیں پیدا کئے جاسکتے، مگر اسرائیل اسے ماننے کو تیار نہیں ہے۔

یاسر عرفات کی اس اپیل پر کسی نے کان بھی نہیں دھرا کہ اسرائیل غازہ پٹی اور مغربی کنارے کی ناکہ بندی ہٹا دے تاکہ پچاس ہزار فلسطینی اسرائیل میں اپنے کاموں پر جاسکیں۔ اسی طرح دو انتہائی سنگین مسائل یعنی مسئلہ یروشلم اور مقبوضہ علاقوں میں نئی یہودی بستیوں کے قیام یا ان کی توسیع کے مسئلے پر بھی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ گویا کانفرنس میں صرف اس بات پر اتفاق ہو سکا کہ مذاکرات جاری رہنے چاہئیں۔ عرفات۔ رابن ملاقات اور دونوں فریقوں کے سرکاری وفود کے درمیان نئے مذاکرات کی بعض تاریخیں بھی طے کی گئیں۔ بظاہر متعینہ تاریخوں پر یہ ملاقات اور مذاکرات منعقد بھی ہوں گے مگر ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ ان سے فی الفور کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوگا۔ در اصل مغربی کنارے اور غازہ پٹی میں انتخاب کے مسئلہ پر قاہرہ میں جو مذاکرات ہونے تھے وہ

یاسر عرفات، حسنی مبارک، شاہ حسین اور اسحاق رابن: قاہرہ کانفرنس کے دوران

پہلے ہی ناکام ہو چکے ہیں۔ اب عرفات۔ رابن ملاقات سے بھی متوقع طور پر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ہے۔

قاہرہ کانفرنس نے در اصل اوسلو معاہدے کے بعض نقائص کو اجاگر کرنے میں مدد دی ہے۔ سب سے اہم مسئلہ ظاہر ہے یروشلم کا تا جذباتی مسئلہ ہے۔ دونوں فریقوں نے اسے مؤخر کر کے یہ امید کی تھی کہ محدود خود مختاری کے معاہدے پر عمل در آمد آسانی سے کر سکیں گے مگر ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ در اصل دونوں ہی طرف، خصوصا اسرائیل کے پاس اس انتہائی جذباتی مسئلے کو حل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ آثار سے پتہ چلتا ہے کہ اسرائیل اس مسئلے کا گفتگو اور مذاکرات کے ذریعہ کوئی حل ڈھونڈھنے کے بجائے حتمی طور پر اسے اپنا ازلی دارالحکومت قرار دے چکا ہے۔ یروشلم کے پاس نئی آبادیوں کی تعمیر کو اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں دیا جا سکتا۔ ظاہر ہے پی ایل او اسرائیل کی اس توسیعانہ پالیسی پر خاموش رہ کر اپنی خودکشی کا سامان کرنے سے رہی۔ اسرائیل کی اس توسیعانہ پالیسی کی موجودگی میں اس کے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اسلامی جہاد اور حماس کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کر سکے۔

دوسرا بڑا مسئلہ ظاہر ہے عرب علاقوں میں نئی یہودی آبادیوں کی تعمیر کا ہے۔ اس مسئلے پر بھی، ایسا لگتا ہے اسرائیل نے غیر لچکدار رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ ساری دنیا کہہ رہی ہے کہ یہ یہودی نو آبادیاں امن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، خصوصا بعض یہودی بستیاں جو سراسر عربوں کے بیچ میں واقع ہیں مثلا حبرون میں، انہیں ہٹائے بغیر عرب اور یہودی عوام کے مابین خیرسگالی کے جذبات نہیں پیدا کئے جاسکتے، مگر اسرائیل اسے ماننے کو تیار نہیں ہے۔ بلکہ وہ بعض ایسے اقدامات کر رہا ہے مثلا ایک نئے روڈ کے ذریعہ ان ساری نو آباد یہودی بستیوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کا پروگرام تاکہ آسانی سے ان کی حفاظت کی جاسکے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان سے کبھی دستبردار نہیں ہوگا۔ اسحاق رابن کو غالبا امید ہے کہ جس طرح اردن کے ساتھ اردن مقبوضہ سرزمین پر بسائی گئی یہودی بستیوں سے متعلق ایک معاہدہ ہو گیا ہے اسی طرح کا ایک معاہدہ پی ایل او کے ساتھ بھی ہو جائیگا۔ سر دست پی ایل او اپنے وجود کے لئے کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے مگر کیا طاقت ور حماس اور اسلامی جہاد بھی اسے قبول کر لیں گے۔ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔

لیکن سب سے بڑا مسئلہ فلسطینی پناہ گزینوں کا ہے جنہیں نہ صرف اوسلو معاہدے میں بلکہ بعد کے سارے مذاکرات میں نظرانداز کیا گیا ہے۔ خان یونس کوئی شہر نہیں بلکہ ایک پناہ گزین کیمپ ہے۔ اس کیمپ میں زیادہ تر وہ پناہ گزین رہ رہے ہیں جو 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت یا اس سے قبل یہودی دہشت گردی کے نتیجے میں اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے گھروں اور زمینوں پر آج اسرائیل قائم ہے۔ اسی طرح لبنان کے کیمپوں میں وہ پناہ گزین ہیں جو 1948ء میں موجودہ اسرائیل چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ایسے بہت سے پناہ گزیں اردن، شام، سعودی عرب، دوسرے عرب ممالک اور بعض مغربی ممالک میں بھی ہیں۔ اوسلو معاہدے کے بعد ان پناہ گزینوں کو یہ یقین سا ہونے لگا ہے کہ وہ اب کبھی بھی اسرائیل میں موجود یا ڈھا دئے گئے اپنے گھروں اور گاؤں کو واپس نہ ہو سکیں گے۔ اس یقین ہی نے ان لوگوں کو پی ایل او سے ہٹا کر حماس اور اسلامی جہاد کے قریب کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک قرار داد کے مطابق ان لوگوں کو اسرائیل میں اپنے گھروں اور گاؤں کو لوٹنے کا

سب سے بڑا مسئلہ فلسطینی پناہ گزینوں کا ہے جنہیں نہ صرف اوسلو معاہدے میں بلکہ بعد کے سارے مذاکرات میں نظرانداز کیا گیا ہے۔ خان یونس کوئی شہر نہیں بلکہ ایک پناہ گزین کیمپ ہے۔ اس کیمپ میں زیادہ تر وہ پناہ گزین رہ رہے ہیں جو 1948ء میں اسرائیل کے قیام کے وقت یا اس سے قبل یہودی دہشت گردی کے نتیجے میں اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے گھروں اور زمینوں پر آج اسرائیل قائم ہے۔

حق حاصل ہے۔ مگر ظاہر ہے اسرائیل نے امریکہ کی مدد سے اس قرار داد پر نہ پہلے عمل ہونے دیا ہے اور نہ ہی مستقبل میں اس پر عمل ہونے دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایسے حالات میں حماس اور اسلامی جہاد کا اسرائیل کو تباہ کرنے کا نعرہ یا اسلو معاہدے کو رد کرنا ان پناہ گزینوں کے لئے بڑی اپیل رکھتا ہے۔ اگر اسرائیل اور نام نہاد امن پسند عرب، مثلا اردن اور مصر واقعی مغربی ایشیا میں حقیقی امن کے قیام کے خواہاں اور اس میں سنجیدہ ہیں تو انہیں ان پناہ گزینوں کے مسئلے کو ترجیحی بنیاد پر حل کرنا ہوگا۔ قاہرہ کانفرنس میں غالبا پہلی بار اس مسئلے پر معمولی گفتگو ہوئی جس کے نتیجہ میں اردن میں باقاعدہ اس ضمن میں پی ایل او اور اسرائیل کے مابین مذاکرات ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں لگتا کہ ان مذاکرات سے فورا کوئی مثبت نتیجہ برآمد ہوگا۔

ت میں بے پناہ اضافہ کے سبب

رب ممالک مالی دشواریوں سے دوچار

دوسرے ممبروں۔۔ کہیں آگے ہیں۔

بحیثیت مجموعی عرب لیگ کے ممبر ممالک کے دفاعی بجٹ میں 1993 میں تیل کی آمدنی میں کمی کے باوجود اضافہ ہوا ہے 1991 میں عرب لیگ کے ممبر ممالک کا دفاعی بجٹ ان کے مجموعی بجٹ کا 72.

برآمد کرنے والے عرب ملکوں کی تنظیم اور عرب فنڈ برائے معاشی وسماجی ترقی ہیں اس رپورٹ میں 1994 کے اعداد وشمار نہیں دئے گئے ہیں کیونکہ بعض ممبر ممالک ابھی تک پہلے ہی تیار کئے گئے منصوبوں پر رقم خرچ کر رہے ہیں۔

کیا تھا۔ واضح رہے کہ سعودی عرب دنیا کا سب سے زیادہ تیل برآمد کرنے والا ملک ہے اور اس وقت ساری دنیا میں ہتھیار خریدنے والے ممالک میں سرفہرست ہے۔

کویت جو 1990 کے عراقی حملے کے بعد اپنی فوج کی تعمیر نو میں مصروف ہے، بھی اپنے دفاع پر اب کافی خرچ کر رہا ہے۔ 1991 میں کویت کا دفاعی بجٹ اس کے مجموعی بجٹ کا صرف 5.4 فیصد تھا۔ 1992 میں یہ بڑھ کر 14.53 فیصد اور 93 میں 28.29 فیصد ہو گیا۔ جب کہ 93 ہی میں پبلک سروس پر کویت نے صرف 7.49 فیصد خرچ کیا۔ اسی کے ساتھ کویت نے سماجی بہبود کے پروگراموں پر 19 فیصد اور ترقیاتی اسکیموں پر 26.44 فیصد خرچ کیا۔ 93 میں مصر: دفاعی بجٹ پہلے ہی کی طرح 19 فیصد رہا جب کہ پبلک سروس پر اس نے 52.24 فیصد خرچ کیا۔

ی اخراجات میں نہ صرف یہ کہ کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ ان میں مزید اضافہ کیا خرید، فوج اور پولیس کی تنخواہوں پر بعض عرب ممالک اپنے بجٹ کا پچاس فیصد سے جب کہ رقم کی مقدار کے اعتبار سے سعودی عرب اور دوسرے خلیجی ممالک عرب لیگ کے دوسرے ممبروں سے کہیں آگے ہیں۔

24 فیصد تھا جو 1992 میں 25.66 اور 1993 میں بڑھ کر 27.5 فیصد ہو گیا۔ یہ بات عرب لیگ کی 93 کی سالانہ رپورٹ میں کہی گئی ہے۔ رپورٹ میں ممبر ممالک کے دوسرے اخراجات کا بھی ذکر ہے ان ممالک نے 1993 میں اپنے بجٹ کا 23 فیصد پبلک سروس پر 24 فیصد سماجی بہبود پر اور 12 فیصد معاشی ترقی پر صرف کیا۔

مذکورہ رپورٹ تین عرب تنظیموں نے مل کر تیار کی ہے یہ تنظیمیں دبئی کی عرب مونیٹری فنڈ تیل

رپورٹ میں ممبر ممالک کے انفرادی دفاعی اخراجات کا بھی ذکر ہے۔ فیصد کے اعتبار سے 93 میں سوڈان کا بجٹ سب سے بڑا تھا یعنی مجموعی بجٹ کا 54.5 فیصد۔ اومان اور یمن دوسرے اور تیسرے نمبر پر رہے جنہوں نے بالترتیب 45.7 اور 44.5 فیصد دفاع پر خرچ کیا اسی طرح قطر نے 34 متحدہ عرب امارات نے 35 اور بحرین نے 34.5 فیصد خرچ کیا۔ 93 ہی میں سعودی عرب نے دفاع پر 31.4 فیصد خرچ کیا جب کہ 1992 میں اس نے تیس فیصد خرچ

رپورٹ سے بہرحال یہ پتہ چلتا ہے کہ اکثر عرب، خصوصا خلیجی ممالک ترقیاتی اسکیموں کی بہ نسبت دفاع پر خرچ کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ اتنے بڑے صرفے کے باوجود ان میں سے اکثر ممالک اب بھی اپنے دفاع کے لئے مغربی ممالک کے محتاج ہیں۔

ہندوستان اور عراق کے بڑھتے تعلقات سے امریکہ کی پیشانی شکن آلود

ہندوستان آرہے ایک تجارتی جہاز کو روک کر امریکہ نے ہندوستان کو وارننگ دیدی ہے

گذشتہ دنوں اقوام متحدہ کی سنکشن کمیٹی کی اجازت سے ہندوستان نے 6 کروڑ روپے کی دوائیں عراق کو ارسال کی تھیں۔ یہ دوائیں مختلف کمپنیوں نے عطیہ کے طور پر دی تھیں۔ مگر انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہندوستان نے عراق کی ذرا مدد کیا کردی کہ
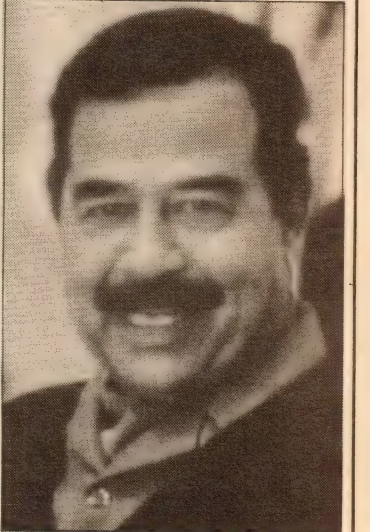
عراقی صدر صدام حسین

امریکہ کو اس پر خاطر خواہ ناراضگی سی ہوگئی ہے۔ گلف اسپلنڈرس ایک تجارتی جہاز جو ہندوستان آرہا تھا اسے دبئی کی بندرگاہ پر امریکیوں کے ذریعہ اس بنیاد پر روکنا اور تفتیش کرنا پڑا کہ وہ عراق میں بھرا گیا تھا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امریکہ ہند و عراق کے بڑھتے تعلقات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ خلیج میں موجود امریکی بحری بیڑے نے گذشتہ ماہ کے وسط میں اس جہاز کو ہندوستان کی طرف بڑھنے کے بجائے مجبور کیا تھا کہ دبئی کی بندرگاہ میں قیام کرے تاکہ اس کی تفتیش کی جاسکے۔ عام حالات میں اسے معمول کی کارروائی تصور کیا جاتا ہے مگر موجودہ حالات میں جب کہ ہندوستان عراق سے تعلقات بڑھانے کی کوشش کررہا ہے، اس امریکی اقدام کا مقصد گویا ہندوستان کو ایک طرح کی وارننگ ہے۔

گلف اسپلنڈرس بنگلور کے ایک تاجر کا سامان ایران سے لارہا تھا اس تجارتی فرم نے جو دستاویز یہاں وزارت خارجہ کو پیش کئے ہیں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جہاز ایران کی کسی بندرگاہ پر سامانوں سے بھرا گیا تھا نہ کہ عراق میں جیسا کہ امریکیوں کا الزام ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس تجارتی جہاز نے عراق کے خلاف اقوام متحدہ کے ذریعہ عائد کی گئی پابندیوں کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

مگر یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہندوستانی وفد 6 کروڑ کی دوائیں لے کر بغداد گیا ہوا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالنا شاید غلط نہ ہو کہ جہاز کو روک کر گویا امریکہ نے بہ انداز دیگر ہندوستان کو وارننگ دی ہے۔ امریکی اور ان کے حاشیہ بردار جن کی اچھی خاصی تعداد ہندوستان میں بھی ہے، ظاہر ہے یہ توجیہ پیش کریں گے کہ امریکی بحری بیڑے نے غلطی سے گلف اسپلنڈرس کو روک لیا تھا۔ مگر یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہے۔

ہندوستان 1993 ہی سے عراق سے تعلقات بڑھانے کی فکر میں ہے۔ دراصل تحریک پہلے عراق کی طرف سے ہوئی۔ ہندوستان اس وقت سلامتی کونسل کا ممبر تھا۔ عراق حکومت ہندوستان سے اس وقت مسلسل درخواست کررہی تھی کہ عراق کے خلاف عائد پابندیوں کو ہٹوانے میں دہلی اس کی مدد کرے۔ شروع میں ہندوستان نے ٹال مٹول کی

ہندوستان نے عراق کو 6 کروڑ کی دوائیں ارسال کردیں اور امریکہ برہم ہوگیا۔

پالیسی اختیار کی۔ عراقی وزارت خارجہ کے انڈر سکریٹری عمر الدوری نے ہندوستان کے دورے کی کئی بار درخواست کی مگر ہندوستانی حکومت اسے ٹالتی رہی۔ مگر ستمبر 1993 میں دورے کی اجازت دے دی گئی الدوری کے 6 روزہ دورے کا علم بہرحال لوگوں کو اس وقت ہوا جب وہ ہندوستان سے واپس ہوچکے تھے۔ اس وقت ہندوستانی وزارت خارجہ نے ایک پریس نوٹ کے ذریعہ اس امر کی اطلاع دی تھی۔

الدوری کا ستمبر 1993 کا دورہ ہند جنگ خلیج کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان پہلی بار اعلیٰ سطحی تعلق قائم کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ ہندوستان نے ظاہر ہے دورے کی اجازت اس امید پر دی تھی کہ عراق سے جب پابندیاں ہٹیں گی تو اس کی تعمیر نو میں حصہ لینے کا اسے بھی موقع دیا جائے گا۔

اس دورے کے سات ماہ بعد عراقی وزیر خارجہ ہندوستان آئے اور ہندوستانی لیڈروں سے تفصیلی مذاکرات کئے۔ اس کے بعد ہندوستان نے بغداد میں اپنے سفارتخانے میں مزید افراد تعینات کئے۔ واضح رہے کہ جنگ خلیج کے درمیان سفارتخانے کے اسٹاف کی اکثریت خطرات کے پیش نظر ہندوستان آگئی تھی۔ اسی دوران عراق نے بھی اپنا سفیر ہندوستان بھیج دیا۔ مگر گذشتہ ماہ بھیجا گیا دواؤں کا تحفہ عراق کے تئیں ہندوستان کی بڑھتی ہوئی گرمجوشی کا سب سے بڑا مظاہرہ تھا۔

ہندوستان سے دواؤں کا یہ تحفہ ایک چار رکنی وفد لے کر گیا تھا جس میں اقلیتی کمیشن کے ایک ممبر اور ایک صحافی کے علاوہ دو اراکین پارلیامنٹ بھی شامل تھے۔ اس وفد سے عراقی افسروں نے کھل کر کہا کہ ایک نہ ایک دن عراق سے پابندی تو ہٹنی ہی ہے۔ اس لئے ہندوستان تباہ حال عراق کی تعمیر نو میں حصہ لینے کے لئے ابھی سے معاہدے کرنے شروع کردے۔ کیونکہ اگر ہندوستان پابندیاں ہٹنے کے انتظار میں رہا تو اس وقت تک بڑی دیر ہوجائے گی۔

ہندوستان سے دواؤں کا یہ تحفہ ایک چار رکنی وفد لے کر گیا تھا جس میں اقلیتی کمیشن کے ایک ممبر اور ایک صحافی کے علاوہ دو اراکین پارلیامنٹ بھی شامل تھے۔ اس وفد سے عراقی افسروں نے کھل کر کہا کہ ایک نہ ایک دن عراق سے پابندی تو ہٹنی ہی ہے۔ اس لئے ہندوستان تباہ حال عراق کی تعمیر نو میں حصہ لینے کے لئے ابھی سے معاہدے کرنے شروع کردے۔

اس عراقی بیان کو بعض کوتاہ نظر ہندوستانی صحافیوں نے ایک طرح کی دھمکی سے تعبیر کیا ہے لیکن یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کی مغربی ایشیا خصوصاً عراق کے حالات پر نظر نہیں ہے۔ دراصل مغربی کمپنیاں ایک برس سے زائد عرصے سے براہ اردن عراق جاکر عراق کی متوقع تعمیر نو میں

امریکی صدر بل کلنٹن

شامل ہونے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ فرانس، اٹلی اور جرمنی کی کئی فرموں نے تو باقاعدہ اس ضمن میں معاہدے بھی کرلئے ہیں۔ ظاہر ہے ان معاہدوں پر عمل درآمد یا ان کی تکمیل بندیاں ہٹنے کے بعد ہی شروع ہوگی۔ لیکن اس حقیقت کی روشنی میں دیکھا جائے تو عراقی بیان دھمکی نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہے جسے ہندوستان اپنے نقصان کی قیمت پر ہی نظرانداز کرسکتا ہے۔

ہتھیاروں کی دوڑ اور جنگی اموات

از: عبداللہ ہارون

اوائل جون 1994 میں اقوام متحدہ سے شائع ہونے والی "انسانی ترقی" کی رپورٹ میں بہت سے اہم مسائل کا ذکر ہے، جن میں سے درج ذیل قابل غور ہیں:

1۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں جنگی اموات میں فوجیوں کا حصہ 90 فیصد تھا، مگر اس صدی کے خاتمہ پر شہریوں کا حصہ 90 فیصد ہوگیا ہے۔

اگر لبنان، صومالیہ، یمن اور افغانستان کی خانہ جنگیوں اور خلیجی جنگ اول و دوم کو نظرانداز کردیا جائے تو یقیناً ان 90 فیصد شہری اموات میں عربوں اور مسلمانوں کا حصہ سب سے بڑھ چڑھ کر بیٹھے گا۔

2۔ عام اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ سرد جنگ کے خاتمہ کے ساتھ عالمی پیمانہ پر فوجی اخراجات میں چھ اعشاریہ تین فیصد سالانہ کی کمی ہوئی ہے۔

ترقی یافتہ شمالی ممالک میں یہ کمی ہوئی ہو تو ہوئی ہو۔ غریب جنوبی ممالک میں تو صورت حال برعکس ہے۔ مثال کے طور پر تنہا ہندوستان و پاکستان کی ہتھیاروں کی درآمد میں اٹھارہ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ ایتھوپیا، صومالیہ، پاکستان اور یمن تعلیم و صحت سے زیادہ ہتھیاروں پر خرچ کر رہے ہیں۔ عراق نے کویت پر حملہ سے پہلے اجتماعی خدمات سے دو سو ستر فیصد زیادہ ہتھیاروں پر خرچ کیا۔ اور یمن آخری خانہ جنگی کے وقت ہتھیاروں پر اپنی آمدنی سے دوگنا خرچ کررہا تھا۔

3۔ کئی عربی اور اسلامی ممالک ہتھیار درآمد کرنے والے بڑے ملکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جن میں سر فہرست سعودی عربیہ، کویت، عراق، افغانستان، ایران اور پاکستان ہیں۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ان سے اکثر ممالک ملکی حدود کے دفاع کے وقت غیر ملکی "دوستوں" سے بے نیاز نہیں ہوپاتے۔

عرب ممالک میں ناخواندگی میں اضافہ

عالم عرب کی تعلیمی حالت پر یونسکو کی رپورٹ شائع شدہ جون 1994 میں ناخواندگی کے درج ذیل اعداد و شمار آنکھیں کھول دینے والے ہیں:

1۔ صومالیہ 57.9 سوڈان 72,9 یمن 61,2 مصر 51,6 مراکش 50,5 الجزائر 42,6 فیصد وغیرہ

اگر ناخواندگی دور کرنے کی موجودہ کوششیں حالیہ پیمانہ پر جاری رہیں، تب بھی عرب ممالک میں سن 2000 میں ناخواندہ افراد چھ کروڑ اٹھاون لاکھ ہوں گے۔

2۔ عرب ممالک میں ڈگری یافتہ معلمین کی کمی ہے۔ مزید طلباء کے مدارس میں داخلہ کے ساتھ صورتحال اور خراب ہوگی۔ مالی فنڈ کی کمی کی وجہ سے مدرسین کی ٹریننگ اور ناخواندگی ختم کرنے کے پروگرام بھی متاثر ہوں گے۔

(ماہنامہ الرائد، ویریسین، جرمنی، اگست 1994

ترجمہ و تلخیص: مسعود الحمان خاں ندوی

بقیہ: الجزائر کی فوجی حکومت بوکھلاہٹ کی شکار

گروپ چھوٹی چھوٹی ان گنت تنظیموں پر مشتمل ہے اور فوج کی بربریت کا جواب بربریت سے دینے میں یقین رکھتا ہے۔ آج فوج کے خلاف یہی گروپ زیادہ سرگرم عمل ہے اس کی طاقت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی نجات محاذ کے سرکردہ رہنماؤں مثلاً عباس مدنی اور علی بالحاج نے حکومت سے کسی بھی سطح کے مذاکرات میں اس گروپ کی شمولیت کے بغیر شامل ہونے سے انکار کردیا ہے۔

چند ماہ قبل فرانس کے ایک طیارے کے اغواء کے بعد سے الجزائر اور پیرس کے تعلقات کافی کشیدہ ہیں۔ فرانس دراصل اس کوشش میں ہے کہ کسی طرح موجودہ ظالم الجزائری حکمرانوں سے ناطہ توڑ کر خود کو ملک کے اندرونی معاملات سے نہ صرف الگ کرلے بلکہ اگر موقع ملے تو اپوزیشن سے تعلقات بڑھا کر انہیں اقتدار دلانے میں مدد بھی کرے تاکہ بعد میں ان کی پالیسیوں پر کم از کم اتنا ضرور اثر انداز ہوسکے جس سے بڑی تعداد میں مغرب زدہ طبقہ فرانس کا رخ نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ فرانس نے الجزائر کی اپوزیشن پارٹیوں کی اس کانفرنس کی حمایت کی تھی جو گذشتہ جنوری میں روم میں ہوئی تھی۔ فرانس کے علاوہ امریکہ نے بھی اس کانفرنس کی حمایت کی ہے۔

روم کانفرنس میں تین بڑی جماعتوں نے شرکت کی تھی۔ سابق حکمراں جماعت نیشنل لبریشن فرنٹ، سوشلسٹ فورسز فرنٹ اور اسلامی نجات محاذ جو سردست اصل اپوزیشن پارٹی ہے۔ اس کانفرنس میں متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ تمام ہی پارٹیاں جنگ بندی کو قبول کرلیں تاکہ ایک نئی عارضی حکومت قائم کرکے نئے انتخابات کرائے جاسکیں۔ الجزائر کی دو اور اپوزیشن جماعتوں اور انسانی حقوق لیگ نے بھی اس تجویز کی حمایت کی ہے مگر موجودہ الجزائر حکومت نے اسے رد کردیا ہے اور یہ کہا کہ وہ خود اس سال کے اختتام تک انتخاب کرائے گی جس میں اسلامی نجات محاذ کو حصہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔

فروری کے آغاز میں فرانسیسی صدر متراں نے روم کانفرنس کی تجویز کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ اس سے ایک امید بندھی ہے انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ اس تجویز کی بنیاد پر یوروپین یونین کی الجزائر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ایک کانفرنس بلائی جانی چاہیے۔

موجودہ الجزائر حکمرانوں نے اس پر سخت رد عمل ظاہر کرتے ہوئے نہ صرف الجیریا میں موجود فرانسیسی سفیر سے سخت احتجاج کیا بلکہ احتجاجاً پیرس سے اپنے سفیر کو بلالیا ہے۔ سرکاری بیان میں صدر متراں پر ذاتی حملے بھی کئے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ ایک ایسے سیاستداں ہیں جو اپنے آخری ایام گن گن کر گزارنے پڑے ہیں۔ واضح رہے کہ صدر متراں کے دوسرے دور صدارت میں صرف تین ماہ باقی ہیں سرکاری بیان میں صدر متراں پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ وہ الجزائر کی تحریک آزادی کے وقت سے ہی اس ملک کے سخت مخالف ہیں۔

صدر متراں کے اس بیان کے بعد ادھر فرانس میں بھی ایک قسم کا بحران پیدا ہوگیا ہے۔ فرانسیسی وزیر خارجہ نے صدر کی تجویز کو ناقابل عمل بتاتے ہوئے رد کردیا ہے دراصل فرانس کی حکومت جو رجعت پسندوں کے کنٹرول میں ہے صدر متراں سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہتی، کیونکہ آئندہ صدارتی انتخاب میں وہ انہیں شکست دینے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔

مگر الجزائری حکمرانوں کے احتجاج اور فرانسیسی حکومت میں اختلاف سے خود الجزائر کے اندر جاری جنگ پر شاید ہی کوئی اثر پڑے۔ موجودہ حکمراں فوجی ٹولہ الجزائر کے اسلام پسندوں کو گذشتہ تین سالوں میں دبانے میں ناکام رہا ہے اور جن لوگوں کی وہاں کے حالات پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ ظالم فوجی ٹولے کے دن گنے جاچکے ہیں اگر وہ مذاکرات کے ذریعے اپوزیشن یا ایک غیر طبقے کو اقتدار نہیں سونپتے تو یہ بزور طاقت ان سے چھین لیا جائے گا۔ مگر دنیا کے دوسرے ظالموں کی طرح الجزائر کا موجودہ حکمراں طبقہ بھی نوشتہ دیوار پڑھنے کی اپنے اندر ہمت جمع نہیں کرپارہا ہے۔

کیا عمران خان اپنے عوام کی توقعات پر پورے اتر پائیں گے؟

وہ جہاں جاتا ہے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ لوگ اسے چھونا چاہتے ہیں۔ اسکولی بچے اپنا جیب خرچ اسے دینے کے لئے قطار اندر قطار کھڑے ہوجاتے ہیں۔ خواتین اپنے زیورات اس پر نچھاور کرتی ہیں چھوٹے دوکاندار اور تاجروں نے اس کے مشن کے لئے کروڑوں روپے اکٹھا کئے ہیں اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور لوگ اس کے پاکستان کا اگلا وزیر اعظم ہونے کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

وہ پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان عمران خان ہیں، 1992 میں پاکستان ٹیم کے والڈ کپ جیتنے کے بعد ان کی شہرت نے آسمان کی بلندیاں چھولی تھیں۔ ان دنوں عمران اپنی والدہ کی یاد میں بنایے جانے والے غریبوں کے کینسر اسپتال کے لئے فنڈ اکٹھا کررہے ہیں جو کہ اس مرض میں مبتلا ہوکر دم توڑ گئی تھیں، لیکن عمران کی مقبولیت نے پاکستانی سیاستدانوں، وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور اپوزیشن لیڈر نواز شریف کو خوفزدہ کردیا ہے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ عمران خان اب تک لندن معاشرے کا آرمانی سوٹ پہنے اور شاہی افراد نیز راک اسٹارس کے ساتھ دوش سے دوش ملاکر سیر وتفریح کیا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ اس معاشرت پسندی سے واپس آگئے ہیں، پاکستان
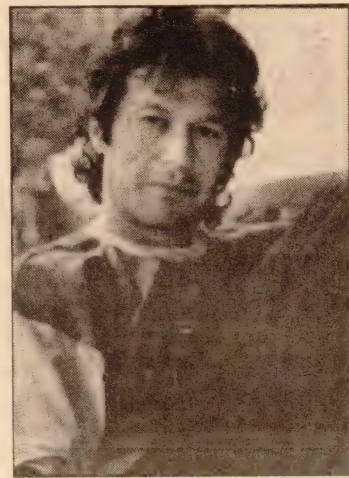
کا روایتی شلوار قمیص پہن کر وہ مغرب کو برا بھلا کہتے ہیں اسے اخلاق سے عاری، منافق اور سامراجیت پسند بتاتے ہیں۔ وہ پاکستانی حکمرانوں کو دلی جذبات سے عاری اور بد عنوان گرداتے ہیں۔

پاکستانیوں کے لئے نئے عمران خان باعزت (وہ پٹھانوں کے باعزت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں) سچے (وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے کرکٹ میچ میں ایک بار گیند کو کریدا تھا) بے غرض (غریبوں کے لئے کینسر اسپتال) آزاد (وہ تمام سیاسی پارٹیوں کے نکتہ چیں ہیں) اور خانہ یافت ہیں (وہ مغربی لباس پہننے اور موسیقی سے انکار کرتے ہیں) ان کا کہنا ہے کہ ان کا اسپتال دولت مندوں اور طاقتور افراد کے پیسوں پر منحصر نہیں رہے گا۔

1988 میں جمہوریت کی طرف پاکستان کی واپسی کے بعد سے ہی وہ آئینی بحرانان اور سیاسی عدم استحکام میں مبتلا ہے۔ اس درمیان پانچ حکومتیں آئیں اور گئیں اور تین انتخابات ہوئے قومی اور ریاستی سطح کی تمام حکومتوں پر کرپشن اور ملکی دولت کو لوٹنے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ وہ مراعات یافتہ طبقہ جو فوجی حکومت میں فائدے اٹھارہا تھا اب جمہوریت میں بھی اٹھارہا ہے۔

اس وقت بے نظیر مایوسی کی شکار ہیں بے روزگاری اور مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ لاء اینڈ آرڈر خراب سے خراب تر ہوتا جارہا ہے اور مسلکی تشدد نے ملک کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ نسلی تصادموں نے ملک کے سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی کو عضو معطل بنادیا ہے جہاں 1994 میں ان تصادموں میں آٹھ سو افراد جن میں 70 پولیس والے بھی شامل ہیں، ہلاک ہوچکے ہیں، اقتصادی حالت بدتر ہوتی جارہی ہے۔ 1980 کی دہائی کے مقابلے میں ملکی پیداوار میں چھ فیصد کی کمی واقع ہوچکی ہے۔

> پاکستانی عوام کسی ایسی شخصیت کی تلاش میں ہیں جو پاکستان کو تحفظ فراہم کرسکے اسے استحکام بخشے اور اسے اس کا باعزت مقام دلائے۔ کیا" نومولود مسلم عمران خان" اس رول پر پورے اتر سکتے ہیں؟

کپڑا اور چینی سمیت بہت سی صنعتوں کی حالت ابتر ہوچکی ہے۔ مارچ سے کراچی کے اسٹاک ایکس چینج میں دسمبر کے 1936 پوائنٹ کے مقابلے میں 727 پوائنٹ نیچے گر گیا ہے۔

ملک اسلام پسندوں اور مغرب دشمنی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے، پاکستان کے ذریعہ اپنے نیوکلیائی پروگرام کے ملتوی کرنے پر انکار کردینے کے سبب 1990 میں جب امریکہ نے پاکستان کو دی جانے والی اقتصادی امداد بند کردی تو اسے پاکستانیوں نے فریب سے تعبیر کیا۔ کشمیر اور بوسنیا میں مسلم کاز کے تئیں مغرب کی عدم حمایت کو اسلام کے خلاف مغرب کی جنگ کا ایک حصہ قرار دیا جارہا ہے۔

ایسے حالات میں پاکستانی عوام کسی ایسی شخصیت کی تلاش میں ہیں جو پاکستان کو تحفظ فراہم کرسکے اسے استحکام بخشے اور اسے اس کا باعزت مقام دلائے۔ کیا" نومولود مسلم عمران خان" اس رول پر پورا اتر سکتے ہیں؟ حالانکہ عمران سیاست کو ناپسند کرتے ہیں اور اس میں اپنی عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں، لیکن یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ جنرل حمید گل جو کہ ایک مرد مومن ہیں ان کے سرپرست ہیں۔ افغان جنگ کے دوران جنرل حمید گل آئی ایس آئی کے سربراہ تھے۔ وہ اس وقت پورے ملک کا دورہ کررہے ہیں اور عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان سے کشمیر کو بزور طاقت چھین لیں۔ تو کیا عمران خان جنرل گل کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں؟

مرادآباد اور سنبھل کے فسادات بی جے پی کی بوکھلاہٹ کا نتیجہ

بقیہ: بی جے پی کی سازشیں ناکام

فتح پور میں بھی خطرناک چالیں چلنی شروع کردیں، ان مقامات پر بھی ٹکراؤ کی فضا بننے لگی اور ایسا لگنے لگا کہ یہاں بھی کچھ نہ کچھ ہوکر رہے گا۔ لیکن مراد آباد میں چوک جانے کے بعد پولیس کے اعلی افسران اور مقامی انتظامیہ کے لوگوں نے ان مقامات پر حالات کو اپنے قابو میں کرلیا، کچھ جگہوں پر احتیاطی گرفتاریاں بھی ہوئیں اور شرپسند عناصر پر کڑی نظر رکھ کر حالات کو خراب ہونے سے بچا لیا گیا۔ سنبھل میں ایک کھیت سے تین لاشیں برآمد ہونے کے بعد حالات خراب ہوئے تھے اور کرفیو نافذ کر دیا گیا تھا لیکن وہاں بھی شرپسندوں کی ایک نہیں چل سکی۔ دراصل اس کا کریڈٹ وزیر اعلی ملائم سنگھ یادو ہی کو جاتا ہے انہوں نے اعلی افسران کے ساتھ میٹنگ کرکے انہیں حالات کو کنٹرول کرنے اور شرپسند عناصر کو گرفتار کرکے انہیں کسی بھی قسم کا موقع نہ دینے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مراد آباد میں بھی جھگڑے کو آپسی گفت وشنید سے طے کرلیا جائے۔ جس کے نتیجے میں دوسرے مقامات جو گرم ہونے شروع ہوگئے تھے پھر سے معمول کے مطابق ہوگئے اور مراد آباد میں دونوں فرقوں کے نمائندوں کو بٹھا کر معاملہ طے کردیا گیا۔ متنازعہ کنواں پر پیاؤ تعمیر کردیا گیا۔ کرفیو کے دوران بھی حکومت نے کوشش کی کہ عوام کو زیادہ پریشانی نہ اٹھانی پڑے اسی لئے کرفیو زدہ علاقوں میں ضروری اشیاء کی فراہمی اور سرکاری دوکانوں کو کھولنے کا بھی انتظام کیا گیا۔

مراد آباد میں فساد برپا کرنے کے الزام میں گرفتار شدہ نوجوانوں کی سرگرمیاں اور ان کی سیاسی وابستگی پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ بی جے پی اور شیوسینا نے منظم منصوبہ بندی کے تحت حالات کو خراب کرنے اور ریاست میں فرقہ وارایت کی آگ لگانے کی کوشش کی تھی، سرتاج نامی نوجوان کو چاقو مارنے کے الزام میں جس کی بعد میں موت واقع ہوگئی نامزد ملزم اوم ویر عرف رام پر سنگھ کو گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ نوجوان شیوسینا سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے شیوسینا لیڈر سنجیو آہوجہ سے گہرے روابط ہیں۔ ایس ایس پی اکھلیش مہروترا کا کہنا ہے کہ سرتاج کے قتل میں چار لوگ شامل تھے جن میں دو کے خلاف نامزد رپورٹ ہے اور ان میں سے صرف ایک کی گرفتاری ابھی عمل میں آئی ہے۔ پولیس شیوسینا لیڈر سنجیو آہوجہ کی سرگرمی سے تلاش کررہی ہے۔ ادھر دوسری طرف مراد آباد میں فساد بھڑکانے کے الزام میں پریم شنکر شرما اور یوگیش کمار کا نام لیا جارہا ہے۔ دونوں بی جے پی سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے یوگیش کمار کو این ایس اے کے تحت گرفتار کیا گیا ہے لیکن پریم شنکر ابھی تک فرار ہے اور اس کی تلاش جاری ہے۔

ایک پولس مین متنازعہ کنواں کے پاس لوگوں کو کنٹرول کرتے ہوئے

دیکھا جائے تو یوپی میں ملائم سنگھ کی حکومت بننے کے بعد سے ہی بی جے پی فسادات کرانے کی کوشش میں تھی۔ اتراکھنڈ مسئلے کو ہوا دیکر اسے فرقہ وارانہ رنگ دینا چاہا لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اور بہت سے ایسے معاملات سامنے آئے جن میں بی جے پی والوں کے ملوث ہونے سے حالات دھماکہ خیز ہوگئے لیکن حکومت نے شرپسندوں کی سازشوں کو سختی سے کچل کر کسی بھی قسم کی شرانگیزی کا ماحول بننے نہیں دیا۔ ادھر جب سے این۔ڈی۔ تیواری نے ملائم حکومت کے خلاف مہم شروع کررکھی ہے بی جے پی کے حلقے میں بھی تیزی آگئی ہے اور بی جے پی ملائم حکومت کو گرانے میں کوشاں تھی، لیکن ملائم ان لوگوں سے چالاک نکلے انہوں نے بی جے پی کے ہی 6 ممبران اسمبلی کو توڑ لیا اور ان سے اپنے حق میں ووٹ دلوا دیا۔ ان میں سے دو نے تو کھل کر ووٹ دیا۔ اس اقدام سے بی جے پی میں زبردست بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق وہ فسادات برپا کرنے پر اتر آئی۔

بی جے پی اس ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی ایک تو ملائم سنگھ کو فسادات کے دلدل میں پھنسانا اور دوسرے مسلمانوں سے ملائم کی حمایت کرنے کا انتقام لینا اور رمضان کے مقدس مہینے کو لہو کا غسل دیکر مسلمانوں کو ذہنی وجسمانی اذیتوں میں مبتلا کرنا تھا۔ فسادات اگر پھیل جاتے اور کئی مقامات پر خونیں تشدد برپا ہوجاتا تو بلا شبہ ملائم حکومت بدنام ہوتی اور بی جے پی اس کو بنیاد بنا کر اسے برخاست کرنے کا مطالبہ کرتی، لیکن یہاں بھی بی جے پی کو مات ہوئی اور ملائم نے سخت اقدام کرکے شرپسند عناصر کو خونیں کھیل کھیلنے سے روک دیا۔

بقیہ: رمزی یوسف

اور یاسین دونوں کے مصر کے نابینا عالم عمر عبدالرحمن سے تعلقات بتائے جاتے ہیں۔

عمر عبدالرحمن گیارہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اس وقت زیر حراست ہیں اور ایک امریکی عدالت میں ان پر مقدمہ چلایا جانا ہے۔ امریکیوں کا الزام ہے کہ یہ لوگ امریکہ سے لے کر مغربی ایشیا تک خصوصا امریکہ و اسرائیل میں " دہشت گردی " کے ذریعہ امریکہ کو اس امر پر مجبور کرنا چاہتے تھے کہ وہ مغربی ایشیا سے متعلق اپنی پالیسی تبدیل کردے۔ امریکی یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ یہ لوگ حسنی مبارک کو قتل کرنے کے علاوہ نیویارک کی اہم عمارتوں، زیر زمین ریلوے لائنوں۔ اقوام متحدہ کی عمارت اور ایف بی آئی کے مرکزی دفاتر کو بموں سے اڑانا چاہتے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسا ہی ان کا پروگرام تھا تو پھر رمزی محض ایک دھماکے کے بعد امریکہ سے فرار کیوں ہوگیا۔ یہ بات اہم ہے کیونکہ اس پورے گروہ میں صرف رمزی کو بم سازی کا فن آتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ امریکہ نے اسلام کو بدنام کرنے اور امریکہ میں مسلمانوں کو تنگ کرنے کا ایک نیا منصوبہ بنایا ہے۔ یوں تو امریکی عدلیہ خود کو بڑا انصاف پرور گردانتی ہے مگر امریکی ججوں کی بیمار اور اسلام مخالف ذہنیت کا اندازہ اسی وقت ہوگیا تھا جب گذشتہ مارچ میں 4 مسلمانوں کو سزا دی گئی تھی اس مقدمے کے دوران امریکی جج نے ان ملزموں کی شخصیت اور ان کے عقائد وخیالات پر جس انداز سے کیچڑ اچھالا تھا اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امریکی عدلیہ کی آزادی اور معروضیت کے دعوے کھوکھلے ہیں۔

آثار بتاتے ہیں کہ رمزی یوسف، شیخ عمر عبدالرحمن اور امریکہ کے مطابق دوسرے ملزموں کو امریکی عدلیہ سزا دینے کا پہلے ہی فیصلہ کرچکی ہے۔ مگر کیا قید وبند سے انقلابی خیالات کے پر کترے جاسکتے ہیں۔ رمزی اور شیخ عمر امریکیوں کی نظر میں دہشت گرد ہوسکتے ہیں جب کہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ اہم سوال یہ ہے کہ اگر یہ دہشت گرد ہیں تو یہ دہشت گرد بنتے کیوں ہیں؟ ایک شخص جو تین زبانیں جانتا ہے وہ اپنے لئے ایک اچھا مستقبل تعمیر کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ آخر اسے " دہشت گرد " بننے کی ضرورت کیوں پڑی؟

رمزی دراصل ان نوجوانوں کا نمائندہ ہے جن کے سینے میں ان طاقتوں کے خلاف ایک لاوا ابل رہا ہے جنہوں نے بوسنیا، چیچنیا، فلسطین اور فلپائن وغیرہ میں مسلمانوں کے ساتھ بربریت کا سلوک کیا ہے۔ چونکہ اس وقت امریکہ فلسطینیوں کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل کا سب سے بڑا سرپرست ہے اس لئے انقلابی مسلم نوجوانوں کی نظر میں وہی بقول آیت اللہ خمینی " شیطان بزرگ" ہے ایسے نوجوانوں کی اکثریت پر امن طور پر غلبہ اسلام کے لئے کوشاں ہے مگر کچھ زیادہ جذباتی اور انقلابی طبیعت کے حامل نوجوان مسلح جدوجہد کو اپنا طریقہ کار بنالیتے ہیں یہ مسلح جدوجہد امریکیوں اور اہل مغرب کی نظر میں دہشت گردی ہے مگر مسلم انقلابیوں کے نزدیک یہ مغرب کی عسکری وتہذیبی غلامی سے آزادی کی جنگ ہے اور ایک رمزی یوسف کی گرفتاری سے یہ جنگ ختم نہیں ہوئی۔ یہ اب بھی جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ امریکی اپنے رویے اور پالیسی میں مناسب تبدیلی نہیں کرتے۔

انسانی حقوق کی پامالی پر ہندوستان کی ناطقہ بندی

ان دنوں جینوا میں اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کمیٹی کے جاری اجلاس میں ہندوستان انسانی حقوق کی پامالی کے سوال پر نہ صرف سنگین جرم کے مرتکب کی حیثیت سے اپنے دفاع کے لئے بغلیں جھانک رہا ہے بلکہ اپنے داغ دار رکارڈ کے سبب عالمی برادری کی نظر میں شدید ندامت سے دوچار ہے۔ کیونکہ اس دفعہ اس سنگین مسئلے پر ہندوستان کا سابقہ خود مشکوک رکارڈ رکھنے والے ملک پاکستان سے نہیں بلکہ ایمنسٹی انٹرنیشنل جیسی بے باک اور بین اقوامی وقعت رکھنے والی تنظیم کے علاوہ خود کو نئے عالمی نظام کا خالق قرار دینے والے ملک امریکہ سے ہے۔ اور دونوں نے اپنی اپنی رپورٹوں میں انسانی حقوق کی پامالی کے سوال پر ہندوستان کو ایک سنگین مجرم کے طور پر پیش کیا ہے۔

گرچہ ہندوستان نے ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکہ کے اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی جانب سے جاری کردہ انسانی حقوق سے متعلق سالانہ رپورٹ کو متعصبانہ اور غیر منصفانہ بتایا ہے۔ اور ہندوستان کے بیشتر قومی اخبارات ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکی دونوں ہی رپورٹوں پر سخت نکتہ چینی کررہے ہیں اور اسے یک طرفہ اور جانبدارانہ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی رپورٹ میں جو شواہد اور ثبوت پیش کئے ہیں اور اعداد وشمار کی جو تفصیل دی ہے اس کا ہندوستانی حکومت کی جانب سے نہ تو خاطر خواہ جواب دیا گیا ہے اور نہ ہی انہیں غلط ثابت کرنے کے لئے شواہد وجوابی ثبوت پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے بلکہ قومی اخبارات اور حکومت دونوں صرف فروعی بنیادوں پر ایمنسٹی انٹرنیشنل اور امریکی رپورٹ کو رد کرنے اور اس کی مذمت کرنے کی لاحاصل کوشش کررہی ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی رپورٹ میں ہندوستان کے قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کے حدود واختیارات، اس کی مجبوریوں اور طریقہ کار کو نشانہ بناتے ہوئے نہ صرف اسے ملک میں انسانی حقوق کی پامالی کی پردہ پوشی کا ادرہ قرار دیا ہے بلکہ اسے "سرکاری نظریے کا پوسٹ باکس" اور سرکاری ترجمان قرار دیا ہے ایمنسٹی انٹرنیشنل کی جاب سے ہندوستانی حکومت اور قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کی کارکردگی سے متعلق یہ ریمارک اور شدید تنقید نہ صرف انسانی حقوق کے آزادانہ وجود اور اس کے اعتماد واعتبار پر سوالیہ نشان لگاتی ہے بلکہ ہندوستانی حکومت اور ہندوستانی قوم پر انسانیت سوزی اور انسانیت کشی کا بد نما داغ بھی۔ جو ہندوستان جیسے ملک جہاں تقدیس مشرق کی ثنا خوانی اور اہنسا اور اخوت کی عظیم روایت کی دہائی دیتے ہم نہیں تھکتے وہاں اپنے ہی شہریوں اور بھائیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک نہایت شرمناک اور عبرت انگیز ہے۔

امریکی رپورٹ میں واضح طور پر ثبوت وشواہد کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ مختلف مواقع پر رپورٹ کے مرتبین اور تفتیش کاروں نے پولیس اور فوجی جوانوں کے ذریعہ اختیار کردہ ظالمانہ رویے اور پولیس حراست میں ہوئی اموات سے متعلق موصولہ شکایات کی روشنی میں حکومت ہند سے جب بھی وضاحت طلب کی تو ہندوستانی حکومت نے اس سلسلے میں جو موقف اختیار کیا اور اس وضاحت طلبی پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے جس قسم کے جواب دیئے اس سے بجائے خود ان جرم کے ارتکاب کی تصدیق ہوتی ہے۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجودھیا میں بابری مسجد کے انہدام کے بعد پورے ملک میں اور بالخصوص بمبئی اور سورت میں بڑے پیمانے پر بھڑکے فسادات اور فسادات کے دوران پولیس کے جانبدارانہ رویے اور مخصوص فرقے کے افراد کے ساتھ کی گئی زیادتیوں اور مظالم کے متعلق تفتیش کاروں کے ذریعہ طلب کردہ وضاحت کے سلسلے میں حکومت ہند نے نہ صرف مبہم بیان کے ذریعہ واقعے کی سنگینی کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی بلکہ گمراہ کن وضاحت کے ذریعہ لیپا پوتی کرنے کی بھی سعی کی۔ کشمیر میں جاری انسانی حقوق کی پامالی کی بھی رپورٹ میں کافی سخت نوٹس لیا گیا اور کہا گیا کہ آئینی وقانونی تحفظ کے باوجود ملک گیر سطح پر ہندوستان میں انسانی حقوق کی پامالی کے شواہد موجود ہیں جو ایک جمہوری ملک کے شایان شان نہیں۔

ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں بالخصوص کشمیر کے حالات پر اپنی توجہ زیادہ صرف کی ہے۔ اور شواہد واعداد وشمار کی روشنی میں حکومت ہند کو ایک ایسے کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے جہاں اسے سخت ہزیمت کا سامنا ہے۔ ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں 715 ایسی اموات کی فہرست پیش کی ہے جو 90 سے 94 کے درمیان ریاست جموں وکشمیر میں پولیس وفوج کی حراست میں زدوکوب کے سبب واقع ہوئی ہیں۔ جب کہ حکومت ہند نے اس درمیان ریاست میں ایسی اموات کی تعداد صرف 434 ہی مرتب کی ہے اور ان میں سے بھی بیشتر اموات کو مڈبھیڑیا پولیس جھڑپوں میں واقع ہوئی اموات بتا کر انہیں اس دائرے سے خارج کر رکھا ہے۔ علاوہ بریں پولیس اور فوجی حراست اور زد وکوب سے ہوئی اموات کے الزام کو رد کرتے ہوئے حکومت ہند نے نہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹوں سے ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ ہی گرفتاری رجسٹر سے ہی کوئی تفصیل فراہم کی ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں کسی قسم کی تفتیش کو ہی بروئے کار لانے کی کوشش کی۔

ایمنسٹی نے اپنی رپورٹ میں اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ ایمنسٹی کی جانب سے رپورٹ کو حتمی شکل دینے سے پہلے حکومت ہند سے متعدد، معاملات کے متعلق وضاحت اور شواہد طلب کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کی گئی کہ کیا حکومت ہند کی جانب سے اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھایا جارہا ہے۔ خود وزیر اعظم کو بھی اس سلسلے میں لکھا گیا مگر حکومت ہند کی جانب سے کسی معاملے کی غیر جانبدارانہ تفتیش کے متعلق اٹھائے گئے قدم کی نہ تو کوئی اطلاع دی گئی اور نہ ہی کسی قسم کی وضاحت۔ ایمنسٹی کی رپورٹ میں اس بات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے کہ اس پورے عرصے میں حفاظتی دستے کی کسی ایک فرد کو بھی حراستی اموات یا ٹارچر کے جرم کی سزا نہیں دی گئی۔

جینوا میں ہندوستان نے اپنے دفاع کے لئے فاروق عبداللہ کو ڈھال بنا کر پیش کرنے کا منصوبہ بنایا ہے کیونکہ ریاست کے سابق وزیر اعلی کی حیثیت سے وہ معاملے کی لیپا پوتی کرنے میں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ لیکن عالمی برادری اس حقیقت سے بھی واقف ہے کہ فاروق عبداللہ جو کہ عرصے سے ریاست ہی نہیں ملک سے باہر خود اختیار کردہ جلاوطنی کی زندگی گزارتے رہے ہیں انہیں ریاست کی خزاں میں وادی کی حالت زار کا کیا علم۔

مسلم ممالک اور ان کی ابادی

دنیا میں مسلمانوں کی کل آبادی 1300 ملین ہے۔ ذیل میں بعض ان ممالک کی آبادی درج کی جارہی ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

ملک	آبادی ملین میں
انڈونیشیا	200
پاکستان	121
بنگلادیش	111
نائیجیریا	89
ترکی	62
ایران	61
مصر	59
مراکش	29
الجزائر	26
سوڈان	26
ازبیکستان	22
عراق	20
ملیشیا	19
افغانستان	18
قزاقستان	18
سعودی عرب	17
شام	14
یمن	13
صومالیہ	10
آذربائیجان	7
تاجکستان	6
کرغستان	5
مسلم اقلیت والے بعض ممالک	
ہندوستان	132
چین	107
روس	25
فلپائن	7
امریکہ	6
میانمار	5
بوسنیا۔ ہرزگونیا	4
برطانیہ	2

ماخذ جون 94 تک لندن میں مذکورہ ممالک کے سفارت خانوں سے حاصل کردہ معلومات

پاپولیشن ریفرینس بیورو جون 94

(کسی وجہ سے متحدہ عرب امارات، کویت، مسقط، عمان، بحرین، اردن، برونائی کی آبادی اس میں شامل نہیں ہوسکی ہے اور سری لنکا، ایتھوپیا، اور برما، جبوتی، ماریشس، مالدیپ کی بھی جہاں مسلمانوں کی خاصی نمائندگی حاصل ہے یا ان کی اکثریت ہے)

سورت کے ہندوؤں کا کہنا ہے کہ پلیگ بیماری نہیں آسمانی بلا تھی

سورت میں اچانک پھوٹ پڑنے والی طاعون کی وبا کیا آسمانی بلا تھی؟ جواہرات کی تجارت کے لئے مشہور اس شہر کے ہندوؤں کی بات پر اعتبار کیا جائے تو اس کا جواب اثبات میں ہے

سورت ہندو جنون پرستی کا مشہور روایتی گڑھ رہا ہے جہاں دسمبر 92 میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد سنگین ترین ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں۔ جرائم پیشہ افراد نے مسلم لڑکیوں کی اجتماعی آبرو ریزی تک کا ارتکاب کیا اور وسیع اشاعت کی غرض سے اس جرم کی ویڈیو فلمنگ بھی کی۔ قتل وغارت گری کے علاوہ انہوں نے مسجدوں اور قبرستانوں کو نقصان پہونچایا اور ہزاروں مکانوں کو نذر آتش یا مسمار کیا۔ ایسی صورت میں مسلمان جان بچا کر محفوظ مقامات پر چلے گئے جہاں وہ وبا کے پھوٹ پڑنے کے بعد بھی رہتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس وبا میں ہلاک ہونے والا پہلا شخص وہ تھا جو مسلم لڑکیوں کی اجتماعی آبرو ریزی میں ملوث مجرموں کا سرغنہ تھا۔ جیسے ہی وبا پھیلی اور اس نے اونچے طبقے کے ہندو علاقوں کو متاثر کرنا شروع کیا مسلمانوں نے اپنے علاقوں میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا۔ اسی شہر کے مسلم علاقوں پر وبا کا عموما کوئی اثر نہیں پڑا اور اس بات کو شہر کے ہندو اچھی محسوس کررہے تھے۔

دہلی میں وزارت صحت کے ایک تجربہ کار افسر نے راقم السطور کو بتایا کہ سورت میں وبا پھیلنے کے بعد جب وہ پہلی جائزہ کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ہندو تباہ شدہ مسجدوں اور قبروں کے سامنے کھڑے ہوئے رورو کر معافی مانگ رہے تھے۔

سورت کے ہندوؤں نے طاعون کی وبا کو اپنے مسلمان بھائیوں پر بیجا زیادتیوں کی سزا کے طور پر آسمانی آفت سے تعبیر کیا ہے۔

اب وہ تباہ شدہ یا مٹے ہوئے مکانات، قبرستان اور مساجد کی مرمت کررہے ہیں اور مسلمانوں سے اپنے چھوڑے ہوئے گھروں کو واپس آنے کی درخواست کررہے ہیں۔ جب اذان ہوتی ہے تو وہ مسجدوں کے سامنے احترام سے کھڑے رہتے ہیں۔

سورت کے کئی علاقوں مثلا وشرام نگر، وید دروازہ، پانڈے سارا، ہاوسنگ بورڈ، دربان نگر، اشوتی کمار روڈ میں ہندوؤں کی درخواست پر زیادہ تر ویران مسجدوں میں پھر سے نماز ادا کی جانے لگی ہے

جن علاقوں میں مسلمان نہیں ہیں وہاں ہندو حضرات کم از کم جمعہ کی نماز کے اہتمام کے لئے مسلمانوں کو لاتے ہیں۔ ان مقامات پر ہندوؤں کی ہی درخواست پر قرآن خوانی ہوتی ہے جس کے لئے آمد ورفت، دری، چادر اور شامیانے کے مصارف وہ خود برداشت کرتے ہیں۔

(ظفر الاسلام خان نئی دہلی)

حکمت یار اپنے مضبوط گڑھ سے بھاگنے پر مجبور اور ربانی کے خیمے میں بے چینی

کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں یہ "طالبان"؟

افغان عوام کے لئے اگر یہ کوئی خوشگوار معجزہ ہے تو متحارب افغان رہنماؤں کے لئے انکی نیندیں اڑا دینے والا پریشان کن مسئلہ ہے چاراسیاب، قندھار، ورداک اور موگار کی کایا کلپ ہوگئی ہے، فوجی چوکیاں ختم کردی گئی ہیں، سنسان سڑکیں لوگوں کی آمدورفت سے بھر گئی ہیں، گولیوں کی ٹرٹراہٹ بموں کے دھماکے اور مشین گنوں کی لرزادینے والی آوازیں بند ہوگئی ہیں، خانہ جنگی کے حالات سے پریشان ہوکر گھروں میں دبک جانے والے افراد باہر آگئے ہیں، ان کے چہروں پر خوف وہراس کی جگہ مسرت وشادمانی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ اور ایک الگ شناخت والے مجاہدین نے شاہراہوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ دوسری طرف متحارب افغان رہنما خصوصا گلبدین حکمت یار اور برہان الدین ربانی زبردست تناؤ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ حکمت یار کو اپنا مضبوط گڑھ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی ہے اور ربانی کو مسلسل دھمکی مل رہی ہے کہ تم کابل خالی کردو ورنہ ہم زبردستی کابل پر قبضہ کرکے تمام فوجیوں کو گھر بھیج دیں گے۔ اس گروپ نے اعلان کیا ہے کہ وہ افغانستان میں اسلامی حکومت قائم کرکے رہے گا۔ اس نئے دھڑے کی آمد سے افغانستان کی صورتحال ہی بدل گئی ہے۔ دوسال سے خانہ جنگی میں مبتلا عوام اس پر یقین ہی نہیں کرپارہے ہیں کہ ایسا بھی ہوسکتا تھا۔

یہ نیا افغان گروپ "طالبان" کے نام سے جانا جاتا ہے اس گروپ میں بیشتر نوعمر لوگ ہیں اور یہ ابھی ابھی پاکستانی مدارس سے فراغت حاصل کرکے آئے ہیں لیکن ان کے جنگی طریقہ کار، حکمت عملی اور پیش قدمی کے انداز سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف مسلح ہیں بلکہ انتہائی درجے تک ٹرینڈ ہیں یہ جدید جنگی حکمت عملی اپناکر دوسال سے آپس میں لڑ رہے مجاہدین گروپوں کو کھدیڑ رہے ہیں۔ جہاں ان کا قبضہ ہوجاتا ہے وہاں کے حالات بدل جاتے ہیں ایسا لگتا ہی نہیں کہ اس سے قبل یہاں خانہ جنگی چھڑی ہوئی تھی اور اس جگہ پر انسانوں کے بجائے ٹینکوں کی آمد ورفت تھی۔ عوام ایک دوسرے کو اور طالبان گروپ کے فوجیوں اور رضاکاروں کو خوشگوار حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔

اس گروپ نے پہلی بار میدان میں قدم رکھا ہے اور اس کی پیش قدمی سے تجربہ کار جنرلوں اور سپہ سالاروں کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں۔ اس دھڑے کا وجود چھ مہینہ قبل اس وقت منظر عام پر آیا تھا جب ایک پاکستانی ٹرک جو کچھ امدادی سامان لے کر قندھار جارہا تھا اور جسے حکمت یار کے فوجیوں نے اغوا کر لیا تھا اس گروپ نے اسے بچایا تھا اور اس کے بعد ہی اس نے قندھار پر جو کہ سابق شاہی حکومت کی راجدھانی ہے، قبضہ کرلیا تھا۔ طالبان کے پاس دوسو ٹینک، درجنوں مگ 21 طیارے اور بے شمار مشین گنیں ودوسرے اسلحہ جات ہیں۔ افغانستان کی صورتحال پر نظر رکھنے والوں کو اس بات پر شدید حیرت ہے کہ ان کے پاس اتنے سارے فوجی اسلحے کہاں سے آگئے اس سلسلے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ افغانستان سے نجیب حکومت کے خاتمے کے بعد جو بہت سارے ٹینک شاہراہوں سے غائب ہوگئے تھے یہ وہی ہیں۔ لیکن زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ طالبان کی تشکیل کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ پاکستان افغانستان میں اپنے وفاداروں کی حکومت قائم کرواکے وسط ایشیا تک بغرض تجارت پہنچنا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کے وزیر داخلہ نصیرالدین بابر جو کہ ایک سابق فوجی جنرل ہیں اور جمعیۃ علماء اسلام کے رہنما مولانا فضل الرحمن کا نام لیا جارہا ہے۔ لیکن تادم تحریر دونوں افراد نے اس سے انکار کیا ہے۔ پاکستان نے اس کی بھی تردید کی ہے کہ اس کے طالبان سے سفارتی تعلقات قائم ہیں۔ مولانا فضل الرحمن کا کہنا ہے کہ ان کی جماعت کے مدارس میں اسلحوں کی ٹریننگ نہیں دی جاتی صرف مذہبی تعلیم دی جاتی ہے لیکن ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس نئے گروپ کا طلوع ہونا دراصل ردعمل ہے دوسال کی خانہ جنگی کا۔ اس وقت جہاں جہاں طالبان کا قبضہ ہے وہاں امن ہے سکون ہے، شاہراہیں لوگوں کے لئے کھول دی گئی ہیں اور فوجی چوکیاں ہٹادی گئی ہیں۔ مولانا مزید کہتے ہیں کہ اس کا کہیں سے بھی کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ اس گروپ کو پاکستان کی جانب سے مالی، سیاسی یا کسی قسم کی مدد حاصل ہے۔ نہ ہی افغانستان کی موجودہ صورتحال میں پاکستان کا کوئی ہاتھ ہے۔

فی الحال طالبان کی تشکیل ایک سربستہ راز ہے۔ ان کا ابھی تک کوئی کرشماتی رہنما سامنے نہیں آیا ہے البتہ چند روز قبل طالبان کی طرف سے ملا ماموں نامی ایک فوجی نے متحارب رہنماؤں سے ہتھیار ڈال دینے کی اپیل کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ محمد عمر نامی ایک نوجوان اس گروپ کا قائد ہے جو قندھار سے طالبان کو کنٹرول کر رہا ہے محمد عمر کے ساتھ ایک مجلس شوریٰ ہے جو تمام فیصلے لیتی ہے۔ کچھ سفارتکار اور افغان عوام کا خیال ہے کہ سعودی عرب یا کوئی دوسرا تیل پیدا کرنے والا مالدار ملک اس گروپ کی مالی اعانت کررہا ہے۔

> متحارب افغان رہنما خصوصا گلبدین حکمت یار اور برہان الدین ربانی زبردست تناؤ میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ حکمت یار کو اپنا مضبوط گڑھ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنی پڑی ہے اور ربانی کو مسلسل دھمکی مل رہی ہے کہ تم کابل خالی کردو ورنہ ہم زبردستی کابل پر قبضہ کرکے تمام فوجیوں کو گھر بھیج دیں گے۔

دریں اثنا ایک اپوزیشن لیڈر نے الزام عائد کیا ہے کہ طالبان نے مجاہدین کمانڈر کو خرید لیا ہے تاکہ وہ ملک پر قبضہ کرسکیں۔ طالبان کا ہر فوجی اور ہر رضاکار باریش ہے اور سر پر دستار باندھتا ہے۔ اس گروپ میں پختون نسل کے لوگوں کی اکثریت ہے جو کہ افغانستان کے دو بڑے نسلی گروپوں میں سے ایک ہے۔ نصیرالدین بابر بھی پختون ہیں اس لئے لوگوں کا یہ شبہ یقین میں بدلتا جارہا ہے کہ اس گروپ کی تشکیل کے پیچھے ان کا بھی ہاتھ ہے۔

طالبان کی دھمکیوں سے گھبرا کر صدر برہان الدین ربانی نے اقوام متحدہ کے ایلچی محمود مستری سے اپیل کی ہے کہ وہ قیام امن کی کوششیں تیز کردیں۔ اس اپیل کے بعد مستری متعینہ تاریخ سے قبل ہی گفت وشنید کی پلاننگ کر رہے ہیں۔ تازہ ترین صورتحال کے بعد تمام متحارب گروپ گفت وشنید کے لئے مثبت ردعمل ظاہر کررہے ہیں، دراصل انہیں خطرہ ہے کہ اگر امن قائم نہیں کیا گیا تو طالبان گروپ انہیں مار مار کر بھاگنے پر مجبور کردے گا اور پھر ملک پر اس کی حکومت قائم ہوجائے گی۔ اقتدار میں ان لوگوں کو حصہ نہیں مل پائے گا اور دوسال کی خانہ جنگی اور قتل وخونریزی کا نتیجہ ان کے حق میں برآمد نہیں ہوگا۔

ان حقائق سے قطع نظر افغان عوام کا یہ سوال اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ کیا طالبان گروپ دوسال سے مسلسل چل رہی خانہ جنگی کو ختم کروانے میں کامیاب ہوپائے گا اور کیا یہ اسلامی حکومت قائم کرے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس گروپ کا وجود مختلف متحارب دھڑوں میں ایک اور دھڑے کا اضافہ ہو۔ طالبان کی اصلیت اور حقیقت کھل کر سامنے نہ آنے پر ایسے سوالات فطری ہیں، آنے والے چند دن یا چند ہفتے افغانستان کے لئے فیصلہ کن ثابت ہوسکتے ہیں اور طالبان کی حقیقت سے پردہ بھی اٹھ سکتا ہے۔ فی الحال طالبان کی آمد سے مختلف شہروں میں امن وامان کی جو صورتحال پیدا ہوئی ہے وہ افغان عوام کے لئے نہ صرف خوش کن ہے بلکہ حیرت انگیز بھی ہے۔

کشمیر میں جمہوری عمل کی باتیں مخلصانہ کوشش یا زبانی جمع خرچ

گذشتہ 14 فروری 1995 کو مرکزی حکومت کی جانب سے جموں کشمیر میں مزید ساڑھے چار مہینے کے لئے صدر راج کی توسیع کے بل پر پارلیامنٹ سے منظوری کا حصول بذات خود ہندوستانی حکومت کے اس دعوے کی قلعی کھولتی ہے جس کا وہ گذشتہ ایک سال سے ڈھنڈورا پیٹتی آئی ہے۔ یعنی کشمیر میں حالات کا معمول پر آنے اور انتخابات کے لئے فضا کی سازگاری کا دعویٰ محض مرکزی حکومت کی سیاسی شعبدہ بازیوں اور غیر سنجیدہ اور کھوکھلے نعرہ پر محمول تھا کیونکہ حکومت اگر اپنے ارادے میں مخلص اور سنجیدہ ہوتی تو گذشتہ پانچ سال کے عرصے میں یقینا ایسے اقدامات اٹھاتی جن سے کشمیری عوام کے اعتماد کو حاصل کرنے اور عوامی سطح پر ان کی حمایت کے حصول میں نمایاں کامیابی ملتی۔ لیکن کشمیر کے موجودہ حالات اس بات کے واضح اشاریہ ہیں کہ حکومت نے اپنے اقدامات کے ذریعہ عوامی اعتماد اور حمایت کے حصول کی بجائے ان کے دلوں میں ہندوستانی حکومت سے نفرت اور ریاستی انتظامیہ اور فوجی عملے سے شدید دشمنی کے جذبات ہی برانگیختہ کئے ہیں۔

آج صورت حال یہ ہے کہ متعدد اہم رہنماؤں کی رہائی کے بعد بھی جمہوری عمل کے آغاز اور انتخابات کے لئے حالات میں سازگاری کے امکانات دور دور تک نظر نہیں آرہے ہیں۔

مرکز کی اس جمہوریت مخالف رویے نے ریاستی حکومت کو نہ صرف کٹھ پتلی بناکر رکھ دیا بلکہ پورے آئین کی جمہوری بنیاد پر سے عوام کے اعتماد واعتبار کو رفتہ رفتہ ختم کردیا اور ان کی نظر میں جمہوریت کا سارا کھیل محض مداری کا تماشا بن کر رہ گیا۔ جمہوری اداروں کی پامالی اور صدر راج کے نفاذ کے ذریعہ جگ موہن جیسے متعصبانہ ذہنیت کے حامل گورنروں کی نگرانی میں فوجی پریڈ کا جو منظر کشمیری عوام نے گذشتہ چھ برسوں میں دیکھا اور بھگتا ہے اس کے سبب اب ریاست میں جمہوری عمل کے آغاز کا سارا شور وغوغا محض ایک خام خیال بن کر رہ گیا ہے۔

وادی کشمیر میں اس پورے عرصے میں فوجی حکومت کے جبر واستبداد اور علاحدگی پسند جنگجوؤں کے عزائم کے مابین عام شہریوں تک پر کیا گزر رہی ہے اس کی کہانی وادی کا ایک ایک گوشہ سناتا نظر آرہا ہے۔ ابھی حالیہ 26 جنوری کو مولانا ابوالکلام آزاد اسٹیڈیم میں ہوئے بم دھماکہ اور پھر جنگجوؤں اور فوجیوں کے درمیان ہوئی جھڑپوں کے بعد جنگجوؤں کے ذریعہ قتل کئے گئے فوجی جوانوں کا بدلہ سری نگر میں معصوم دکانداروں سے جس طرح لیا گیا انسانی حقوق کی پامالی سے پردہ اٹھاتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں ریاست میں انتخابات کرانے اور جمہوریت کی بحالی کے لئے کئے جانے والا زبانی جمع خرچ کشمیری عوام کو ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔

اب چونکہ پارلیامنٹ نے ریاست جموں وکشمیر میں 17 جولائی تک صدر راج کی توسیع کردی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مرکزی حکومت اس مدت میں مثبت اقدام اور تعمیری مخلصانہ رویے کے ذریعہ عوامی اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے یا جمہوری قدروں کی پامالی کی موجودہ پالیسی پر گامزن رہتے ہوئے صورت حال کو بدترین شکل عطا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ جب تک مرکز کی جانب سے جموں وکشمیر سے متعلق موجودہ پالیسیوں میں بنیادی تبدیلی ریاست کی اقتصادی ترقی وخوشحالی کی اور گذشتہ تجربوں سے پیدا شدہ زخموں کو مندمل کرنے کے لئے آئینی حدود میں رہتے ہوئے مخصوص قسم کی خود مختاری پر مبنی پیکیج کا اعلان نہیں کیا جاتا ریاست میں امن وامان اور جمہوری عمل کے آغاز کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔

مبصرین کا یہ بھی خیال ہے کہ مرکزی حکومت جب تک اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کشمیر کے موجودہ بحران کی ذمہ داری غیر ملکی قوتوں پر ڈالتی رہے گی حالات میں مثبت تبدیلی لانا ممکن نہ ہوگا۔ علاوہ بریں جب تک غیر مشروط طور پر کشمیری عوام اور کشمیری عوام کا اعتماد وحمایت رکھنے والے رہنماؤں سے براہ راست باہم گفت وشنید کا سلسلہ شروع نہیں ہوگا۔ مسئلہ کشمیر کا دونوں فریق کے لئے قابل قبول اور پائدار حل سامنے نہیں آئے گا اور نہ ہی جمہوری عمل یا انتخابات کے لئے فضا سازگار ہوسکے گی۔

مناسب رشتے

لڑکوں کی طرف سے

1۔ سنی مسلم پٹھان خاندان کے مرکزی حکومت میں کمپیوٹر اسسٹنٹ کی حیثیت سے 25 سالہ لڑکے (قد 168 سینٹی میٹر) کے لئے جس کی آمدنی چار عدد میں ہے اور مہانگر لکھنؤ میں ذاتی مکان کا مالک ہے 23 سال سے کم عمر کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ بشرط واپسی لڑکی کی تصویر کے ساتھ ضروری کوائف سے مطلع کریں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 46

2۔ یوپی کے معزز خاندان سے تعلق رکھنے والے 28 سالہ سنی (قد 174 سینٹی میٹر) ایم سی اے تعلیم یافتہ لڑکے کے لئے مہذب خاندان کی ترجیحا برسر روزگار لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 47

3۔ ابو ظبی میں برسر ملازمت تیس ہزار روپیہ آمدنی والے 26 سالہ نوجوان (قد 165 سینٹی میٹر) کے والدین کو خوبصورت گھریلو گریجویٹ لڑکی کی تلاش ہے۔ خواہش مند حضرات ضروری تفصیلات سے آگاہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 48

4۔ لکھنؤ میں مقیم چار ہزار روپیہ کی آمدنی والے بی یو ایم ایس ڈگری یافتہ 26 سالہ (170 سینٹی میٹر) شیعہ خاندان کے لڑکے کو خوبصورت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ خواہش مند حضرات ضروری تفصیل اور فوٹو ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 49

5۔ لکھنؤ میں مقیم مہذب خاندان کے اکلوتے بیٹے (قد 5 فٹ 8 انچ) کے لئے جو خلیج میں چارٹرڈ اکاونٹنٹ ہے اور ایک لاکھ روپے جس کی ماہانہ آمدنی ہے۔ تعلیم یافتہ اور سادگی پسند لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ ضروری تفصیلات اور تصویر کے ساتھ مراسلت کریں رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 50

6۔ دس ہزار روپیہ ماہانہ آمدنی پبلک سیکٹر میں کلاس 1 ایکز کٹو طلاق یافتہ سنی مسلم 33 سالہ (قد 172 سینٹی میٹر) شخص کے لئے باشعور اور سلیقہ مند لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 51

7۔ سنی مسلم قانوناً طلاق یافتہ پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ آمدنی اور دہلی میں ذاتی کاروبار کے مالک شخص (عمر 31 سال قد 167 سینٹی میٹر) کو جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے موزوں رشتے کی تلاش ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 52

8۔ سنی شیخ خاندان سے تعلق رکھنے والے اسمارٹ ڈاکٹر (عمر 28 سال قد 165 سینٹی میٹر) تعلیم ایم ڈی (ای ایچ) کے لئے جس کا دہلی میں ذاتی نرسنگ ہوم ہے خوبصورت ڈاکٹر لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ کوئی مطالبہ نہیں۔ شادی جلد کرنی ہے تصویر کے ساتھ تفصیل روانہ فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 53

9۔ معزز سنی سید خاندان کے 28 سالہ (قد 175 سینٹی میٹر) ایم ایس سی ایم بی اے لڑکے کے لئے جو کمپیوٹر سافٹ ویر کا کاروبار کرتا ہے اور معیاری علاقے میں رہائشی مکان وجائداد رکھتا ہے اور آمدنی بھی اونچی ہے موزوں رشتے کی تلاش ہے۔ ضروری تفصیلات اور تصویر ارسال فرمائیں رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 54

10۔ سرکاری ملازمت سے وابستہ سنی مسلم خاندان کے گریجویٹ سول انجینئر کے لئے (عمر 29 سال، قد 169 سینٹی میٹر) جو ایم ای بھی کر رہا ہے مسلمان لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ ٹیچر اور ڈاکٹر کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 55

11۔ لکھنؤ میں مقیم شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے سنی مسلم پٹھان معزز زمیندار پانچ عدد سے زائد آمدنی رکھنے والے خوبرو لڑکے کے لئے (عمر 26 سال، قد 172 سینٹی میٹر) خوبصورت مذہبی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ لکھنؤ میں مقیم خاندان کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 56

لڑکیوں کے لئے

12۔ ذہین ایم ایس سی پی ایچ ڈی سنی مسلم لڑکی کے لئے (عمر 24 سال، قد 157 سینٹی میٹر) اعلی خاندان کے لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 57

13۔ کانونٹ کی تعلیم یافتہ خوبصورت گھریلو 21 سالہ گریجویٹ لڑکی (قد 152 سینٹر میٹر) کے لئے موزوں کنوارے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے تفصیلات اور بشرط واپسی تصویر ارسال فرمائیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 58

14۔ دہلی میں مقیم سنی پٹھان یونیورسٹی کے پروفیسر کو اپنی مذہبی اور گھریلو بیٹی (عمر 25 سال، قد 164 سینٹی میٹر) کے لئے جو امسال ایم ٹک مکمل کرنے والی ہے ترجیحا انجینئر لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 59

15۔ غیر معمولی طور پر خوبصورت، چھریرے بدن کی اسمارٹ مذہبی ایم فل ڈگری یافتہ پٹھان خاندان کی لڑکی (عمر 24 سال، قد 162 سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتے کی تلاش ہے لڑکی کے والدین اور بھائی ڈاکٹر اور انجینئر ہیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 60

16۔ بزنس منیجمنٹ سے وابستہ بمبئی میں مقیم کامرس گریجویٹ چھریرے جسم کی خوبصورت لڑکی (عمر 24 سال، قد 164 سینٹی میٹر) کے لئے دہلی یا غیر ملک میں مقیم اعلی تعلیم یافتہ اور خوشحال لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 61

17۔ اردو ہندی انگریزی، عربی سے واقف خوبصورت اسمارٹ لڑکی (عمر ملاس 42 قد 5 فٹ 8 انچ) کے لئے سنی مسلم پٹھان لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ لڑکی قدرے موٹی ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 62

18۔ سنی پٹھان خاندان کی امور خانہ داری میں ماہر لڑکی (عمر 25 سال، قد پانچ فٹ تین انچ) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے والد ریٹائرڈ ریلوے انسپکٹر اور بھائی دبئی میں ہیں۔ شادی اہتمام سے کرنی ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 63

19۔ خوشحال سنی مسلم (پٹھان) کی گھریلو اور مذہبی دلکش گریجویٹ لڑکی (عمر 21 سال) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے شادی جلد اور اہتمام سے کرنی ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 64

20۔ امریکی گرین کارڈ ہولڈر خوبصورت گھریلو مذہبی سنی صدیقی لڑکی (عمر 18 سال، قد 174 سینٹی میٹر) کے لئے امریکہ میں سکونت اختیار کرنے کے خواہش مند ڈاکٹر لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکی کے والد امریکہ میں ڈاکٹر ہیں۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 65

21۔ علی گڑھ میں ایم۔ اے کی طالبہ معروف اور متمول سنی سید خاندان کی خوبصورت لڑکی (عمر 26 سال، قد 5 فٹ چار انچ) کے لئے موزوں رشتہ کی تلاش ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 66

22۔ دلکش، اسمارٹ صحت مند، امور خانہ داری میں ماہر اور مذہبی لڑکی (عمر 22 سال) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز بکس نمبر 67

23۔ کناڈا میں مستقل سکونت پذیر سنی مسلم تعلیم یافتہ خوبصورت لڑکی (عمر 26 سال، قد 5 فٹ 7 انچ) کے لئے کناڈا امریکہ میں پہلے سے مقیم یا سکونت کے خواہشمند بی۔ ای یا کمپیوٹر انجینئرنگ کی ڈگری کے حامل لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ ملی۔ ٹائمز بکس نمبر 67

خلیج جائیے

A Specialized Saudi engineering/contracting company has the following

JOB VACANCIES

Resident Engineer

Civil, Mechanical or Chemical Engineers with 10 years of experience in construction and project management of industrial/process plants.

Electrical Engineer

With 10 years experience in design, installation and troubleshooting of electrical components and control systems of process plants.

Mechanical Designer/Draftsman

With 5 years experience in preparing P&I diagrams, equipment layout, fabrication drawings, and piping isometric drawings using CAD.

Electrical Designer/Draftsman

With 5 years experience in preparing control schematics, single line PLC ladder diagrams and other electrical equipment drawings using CAD.

Material Controller

With 5 years experience in storekeeping of industrial products and spare parts. Must be experienced in use of material control software.

Please send your bio-data to the following address:
Attention: Personal Manager,
P.O. Box 13744, Jeddah 21414, Saudi Arabia

REQUIRED

- Project Managers (Civil/Architectural)
- Mechanical Engineers
- Electrical Engineers

Experience for all the posts preferably with a consulting firm

Please send the application with your latest photo to:
Al-Naim. Architects, Engineers and Planning Consultants
P.O. Box - 27360, Riyadh - 11417, Tel. 473-1143, 473-1170

A leading National Company needs to fill the following vacant jobs:

Nos. (1) Mechanical Engineer for Diesel machines.
Nos. (4) Well pumps technicians.
Nos. (4) Diesel Motors mechanics.

Experience for above positions not less than (10) ten years

For Contact
Tel: 464 7847 Ext. 209
Fax: 465 5801

ARABIC-SPEAKING BANKERS REQUIRED FOR VACANCIES IN GULF COUNTRIES.

- IN DEPTH EXPERIENCE OF CREDIT, OPERATIONS, RETAIL, MARKETING OR TREASURY REQUIRED.
  * University degree
  * Age-range 25 -40
- HEAD OF CARD SERVICES REQUIRED
  * 5 years banking experience
  * 5 years card services

ONLY EXPERIENCED, WELL QUALIFIED APPLY PLEASE.
SEND CVs WITH PERSONAL DETAILS AND CURRENT SALARY TO:
SELECT RECRUITMENT,
UNIT no. 247,
P.O.BOX 61834, RIYADH 11575

مستشفى الدكتور عبدالرحمن المشاري
DR. ABDUL RAHMAN AL-MISHARI HOSPITAL

Opportunities exist for the right candidates to fill the positions of

ACCOUNTANT and INTERNAL AUDITOR

respectively at this Hospital

Applicants must be either Chartered Accountant (ACA or FCA) or Certified Public Accountant (CPA) with at least

- 10 years of post qualification experience in Private enterprise.
- Leadership qualities and initiative will be an advantage.
- Experience in a computerized environment will be essential.

Applicants may send thier qualifications and experience details together with a passport size photograph to the Hospital at the following address:

THE PERSONNEL MANAGER
Dr. Abdul rahman Al Mishari General Hospital
P.O. BOX. 56929, RIYADH 11564
Kingdom of Saudi Arabia

SALES EXECUTIVES

- Chemical Eng./Science Graduates with a MBA/Diploma in Sales & Marketing
- 5 Years local experience handling Inorganic Chemicals
- Handsome Salary, HRA & Company Car offered
- Saudis preffered others should have Transferable Iqama

Please Mail or Fax your C.V Immediately to:

MARKETING MANAGER
P.O. Box 61758 Riyadh 11575
Fax: (01) 4984602

WANTED

A rapidly growing industrial & sanitary ware division of a very large & very well-known group is in search of professionals to fill in the following positions:

SALES EXECUTIVES

with university degree and a minimum of 5 years experience in the field of industrial and sanitary ware supplies. Excellent command of English language in addition to arabic and possession of driving license is a must.

Only qualified candidates fulfilling the above requirement, with transferable Iqama and currently working and residing in Khamis Mushayat or Makkah regions should respond within 15 days by forwarded their resumes with a recent passport size photograph to:

GROUP HUMAN RESOURCES MANAGER
P.O.BOX 99
AL KHOBAR 31952
SAUDI ARABIA

All replies will be handled with strict confidence.

عورت اپنی چھوٹی سی مملکت کی ملکہ اور چراغ خانہ ہے

تہذیب وتمدن کے نام پر مرد سے عورت کی برابری بظاہر رحمت مگر بباطن عذاب ہے

عورت کے لئے اپنی سرگرمیوں کو گھر کی چہار دیواری سے باہر وسیع کرنا ایسا شیطانی اور گمراہ کن اقدام ہے جسے بعض علماء سو نے پسماندہ معاشروں کے سامنے انتقادی مسئلہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور عورت کو ترقی وتعمیر کے وسیلے کی حیثیت دی ہے۔ آج بیشتر ممالک میں صورت حال ایسی ہی ہے۔ آج جو لوگ عورت کو زبردستی سیاست وتجارت میں گھسیٹ لے آئے ہیں اور اس کے نام اور جسم کی نمائش کر رہے ہیں ان پر آخر منکشف ہورہا ہے کہ جس منصب کی انجام دہی کے لئے عورت کی تخلیق ہوئی تھی وہاں سے اسے ہٹا کر اس پر بڑی زیادتی کی گئی ہے اور آج دونوں ہی اپنا سر پیٹ رہے ہیں اور اپنے کیے پر نادم ہیں آج غرب وشرق میں خود کو ہم سے زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن کہنے والوں کے ادب وصحافت میں عورت سے متعلق جو کچھ پڑھتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترقی کرنا تو درکنار جہاں سے ہم نے سفر شروع کیا تھا پھر وہیں واپس آگئے ہیں اور یہی حشر ہوگا اگر ہم حدود اللہ کا پاس رکھتے ہوئے دل کے بجائے عقل سے کام نہ لیں گے۔

آج جو لوگ عورت کو زبردستی سیاست وتجارت میں گھسیٹ لے آئے ہیں اور اس کے نام اور جسم کی نمائش کر رہے ہیں ان پر آخر منکشف ہورہا ہے کہ جس منصب کی انجام دہی کے لئے عورت کی تخلیق ہوئی تھی وہاں سے اسے ہٹا کر اس پر بڑی زیادتی کی گئی ہے اور آج دونوں ہی اپنا سر پیٹ رہے ہیں اور اپنے کیے پر نادم ہیں

ہمارا موقف عورت کو مقید کرنا نہیں ہے بلکہ ہم ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو عورت کی اس کی فطرت کے مطابق موزوں اور مناسب مشاغل میں شرکت کے حق میں ہیں۔ مثال کے طور پر بچوں بچیوں کی تعلیم ان کا علاج اور تیمارداری ہر میدان حیات کے شعبہ نسواں میں عورتوں کی شرکت عمل سے مرد وعورت دونوں کے درمیان وسیع فرق کو ختم تو کیا جاسکتا ہے لیکن کسب معاش کے بنیادی مقصد کے حصول کی خاطر اس شرکت کو مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ اللہ نے اسے محترم ترین منصب عطا کیا ہے اور خود کو برائی سے محفوظ رکھنے کا پیغام دیا ہے۔ اسی لئے ہماری خواہش یہی ہے کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں تباہ ہونے کے بجائے خود کو بچالے۔ اگر ایسا ہوگیا تو قسمت کی بازیابی پر اس کی دوسری بہنیں رشک کریں گی۔

جہاں تک مرد کے عورت کے دکھ سکھ میں شریک رہنے کا سوال ہے تو یہ۔ شرکت ان دکھوں اور مشکلات میں ہی مقصود ہے، جو اس کے مقررہ دائرہ کار میں عورت کو پیش آتی، ہوں وہ مشکلات جن میں عورت خود کو اختیاری، طور پر مبتلا کرلے مثلاً بلا ضرورت باہر جاکر کام کرنا اور مردوں کی طرح بینک اور بازار کے چکر لگانا۔ مال، وزر جمع کرنے کی خواہش میں عورت کا باہر نکل کر۔ کام کرنا اور بینک کے معاملات نمٹانے پر شرعی، خروج کا اطلاق نہیں ہوتا ور اس راہ میں جو تھکن اور۔ کلفت ہوتی ہے اس میں شریک ہونے کی ذمہ داری، اس شوہر پر عائد نہیں ہوتی جو اس کے کھانے پینے رہنے اور دیگر ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔

امہات المومنین مردانہ کاموں سے باہر کبھی نہیں نکلتی تھیں اور اللہ کی راہ کے علاوہ کسی اور غرض سے اپنا گھر نہیں چھوڑتی تھیں۔ یہ بات ضرور ثابت ہے کہ رسول اکرم صلعم ازواج مطہرات کے ساتھ گھر کے کاموں میں تعاون کرتے تھے لیکن ایسا اسی وقت ہوتا تھا جب وہ بیمار ہوں یا کوئی اور عذر ہو۔ اس لئے نہیں کہ آج کے نت نئے عنوانات سے سیر وتفریح کرنے کے لئے انہیں چھوڑ دیا جائے۔

یہ درست ہے کہ مرد پر عورت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن عورت کو پہلے حقوق اللہ کی اطاعت کرنی چاہئے اس کے بعد اپنے شوہر کے حقوق کی۔ جو عورت مرد کی قوامیت کی معترف نہ ہو اور مکمل مساوات پر اصرار کرے تو وہ اپنی اور اپنے اعمال کی ذمہ دار خود ہے۔ یہاں ایک اور اہم سوال بھی سامنے آتا ہے کہ کیا تمام عورتوں کو کام کرنے کی اور عائلی کفالت کی ذمہ داری نبھانی ہوتی ہے۔ اور کیا ان کے باہر نکلنے کا مقصد خانگی زندگی اور بچوں کی قربانی دے کر ذاتی آزادی واستحکام حاصل کرنا اور قوامیت کو چیلنج کرنا نہیں ہے۔ مصر سے شائع ہونے والے خواتین کے رسالے "حواء" میں طبی ماہرین کی ایک رپورٹ سے آزادی نسواں کے خوش کن نعرے کی ہلاکت خیزی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کام کرنے والی عورتوں کے سلسلے میں کی گئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کام کے بوجھ، تمباکو نوشی، تشنج اور نئے طرز حیات سے پیدا ہونے والی ذمہ داریوں نے عورت کی صحت وطاقت پر منفی اثر ڈالا ہے۔

جب عورت گھرداری کا صرف ایک کام کرتی تھی تو اس وقت پوری طرح صحت مند رہتی تھی جب اس نے باہر کی ذمہ داریاں اوڑھ لیں اور میدان عمل میں آکر طرح طرح کے عارضہ لگالیے۔ تو ہم کیوں عورت کو اس کی چھوٹی سی مملکت اور معزز مرتبے سے محروم کرکے مردانہ میدان عمل کی طرف ڈھکیل دیں جہاں اسے محبت، طلاق اور بھرے پڑے گھر کی تباہی جیسے مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔ ہمارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہم تہذیب وتمدن کے نام پر عورت کو اس مساوات سے سرفراز کرتے ہوئے سراب کے پیچھے بھاگتے رہیں گے یا اس کے معتبر اور محترم مرتبے پر قائم رکھیں گے۔

امہات المومنین مردانہ کاموں سے باہر کبھی نہیں نکلتی تھیں اور اللہ کی راہ کے علاوہ کسی اور غرض سے اپنا گھر نہیں چھوڑتی تھیں۔ یہ بات ضرور ثابت ہے کہ رسول اکرم صلعم ازواج مطہرات کے ساتھ گھر کے کاموں میں تعاون کرتے تھے لیکن ایسا اسی وقت ہوتا تھا جب وہ بیمار ہوں یا کوئی اور عذر ہو۔ اس لئے نہیں کہ آج کے نت نئے عنوانات سے سیر وتفریح کرنے کے لئے انہیں چھوڑ دیا جائے۔

کسی نابینا مرد کے سامنے عورت کا بے پردہ آنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال: کیا نابینا مرد کے سامنے عورت کا بے پردہ آنا جائز ہے اور اگر پردہ کرنا چاہئے تو اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: یہ بات درست ہے کہ اگر عورت کسی نابینا شخص کے سامنے بے پردہ آتی ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ عورت کو ایسے لوگوں کے سامنے بے پردہ نہ آنے کی ہدایت کی جاتی ہے جو اس کو دیکھ رہے ہوں اور اس کے نتیجے میں ان کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں اور نابینا شخص نہیں جان سکتا کہ اس کے سامنے والے کی شکل وصورت کیسی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات ہے کہ عورت تو اسی صورت میں اس مرد کو دیکھتی ہے جب کہ اسے نظر نیچی رکھنے کی تلقین اسی لئے کی گئی ہے کہ اس کے جذبات بھڑک سکتے ہیں۔ اور اس میں نابینا اور بینا کی کوئی قید نہیں ہے اسی طرح رسائل یا فلموں میں عورتوں کو دیکھنے سے بھی مرد کے جذبات بھڑکنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

سوال: بعض مسلمان قرآنی آیات، کعبہ یا مسجد نبوی کی تصویر والے لاکٹ پہنتے ہیں کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے۔

جواب: سونے اور دیگر چیزوں کے لاکٹ پہننا عورتوں کا شعار ہے مردوں کے لئے ان کا تشبہ جائز نہیں ہے۔ جہاں تک اس میں قرآنی آیات اور مقامات مقدسہ کی تصویر لگانے کی بات ہے تو حتماً کچھ کہا نہیں جاسکتا تاہم یہ ضرور ہے کہ ایسے لاکٹ پہننے کا مقصد بلاؤں یا بعض چیزوں کے خوف سے محفوظ رہنا ہوتا ہے گویا کہ اس کی حیثیت تعویز کی ہوجاتی ہے جو کہ شرک ہے (اس سے متعلق گذشتہ شماروں میں بھی لکھا جاچکا ہے)

سونے اور دیگر چیزوں کے لاکٹ پہننا عورتوں کا شعار ہے مردوں کے لئے ان کا تشبہ جائز نہیں ہے۔ جہاں تک اس میں قرآنی آیات اور مقامات مقدسہ کی تصویر لگانے کی بات ہے تو حتماً کچھ کہا نہیں جاسکتا تاہم یہ ضرور ہے کہ ایسے لاکٹ پہننے کا مقصد بلاؤں یا بعض چیزوں کے خوف سے محفوظ رہنا ہوتا ہے گویا کہ اس کی حیثیت تعویز کی ہوجاتی ہے جو کہ شرک ہے۔

سوالات:

(1) عورت کے لئے ٹیلی فون پر کسی مرد سے بغرض تفریح گفتگو کرنا جائز ہے۔

(2) کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ باہر جائے تو پردے میں رہتے ہوئے اس کے لئے چہرہ کھولنا جائز ہے؟

جواب: انجان مردوں سے خواہ روبرو، تحریراً یا ٹیلی فون پر گفتگو ہو اور اس کا مقصد ایک دوسرے کے درمیان خلوت وتنہائی ہو تو یہ جائز نہیں ہے ہاں بوقت ضرورت وہ کسی غیر مرد کی بات کا ٹیلی فون پر بقدر سوال جواب دے سکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عورت خواہ اپنے وطن میں اپنے شوہر کے ساتھ سفر کر رہی ہو یا غیر ملک میں غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھلا رکھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

سوال: مصنوعی چوٹیوں والیوں پر اللہ کی لعنت ہو یہ حدیث ہے یا آیت قرآنی؟ کیا مصنوعی بالوں یا کسی دوسری عورت کے اترے ہوئے بالوں کو جوڑ کر اپنے بال بڑے کرنا جائز ہے۔ اور کیا اونچی ایڑی کے سینڈل یا جوتے پہننے پر بھی بالوں کے حکم کا ہی اطلاق ہوگا۔

جواب: یہ جملہ حدیث نبوی کا ہے نہ کہ آیت قرآنی۔ اس سے مراد کسی عورت کے لئے اس کے اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بال جوڑنے کو حرام قرار دینا ہے وہ عورتیں جن کے بال چھوٹے ہوتے تھے وہ دوسری عوتوں کے کٹے ہوئے بال جوڑ کر ان کو لمبا کرلیا کرتی تھیں اور اسی بات سے انہیں منع کیا گیا اور اس پر عمل کرنے والیوں کو ملامت کی گئی کیونکہ اس سے لوگوں کو دیکھ کر دھوکا ہوتا ہے کہ فلاں عورت کے بال لمبے ہیں اور وہ جوان ہے اور سوال کرنے والے نے جو اونچی ایڑی کے سینڈل پہننے سے اس کے تعلق کا استفسار کیا ہے تو اس کا اطلاق اونچی ایڑی کے سینڈل یا جوتوں پر نہیں ہوتا۔

پرندے یعنی قدرت کے کارخانے میں ڈھالے گئے جہاز

چڑیوں سے متعلق بے شمار باتیں سائنس دانوں اور علم طیور کے ماہرین کے لئے باعث حیرت

دنیا میں پرندوں کی نو ہزار تین سو قسموں میں سے تمام اڑنے والی مخلوق ہیں۔ جو اڑنے والی چڑیاں نہیں ہیں ان کے جد امجد بھی اڑنے والے رہے ہوں گے۔ اڑنے یعنی اوپر اٹھنے کی طاقت ان میں بازوؤں سے آتی ہے خمیدہ سطح پر کے اوپر ہوا کا نچلا دباؤ پیدا کرتی ہے اور یہ تخفیف شدہ ہوا کا دباؤ ہی برابر اس دباؤ کو قائم رکھتا ہے اڑنے والے پرندے اپنے بازوؤں سے دو طرح کی حرکتیں کرتے ہیں۔ پانو کا اندرونی حصہ اوپر اور نیچے حرکت کرتا ہے اور بازو کا باہری حصہ دائرے کی شکل میں حرکت کرتا ہے۔ ہر بازو میں دو طرح کے اڑنے والے عضلات ہوتے ہیں۔ نیچے لے جانے والی طاقتور اور نسبتاً کمزور اٹھانے والے عضلات پرندوں کے سینے کی ہڈی سے مربوط ہوتے ہیں۔ اوپر اٹھنے کے دوران نیچے لے جانے والے عضلات پھیلتے ہیں تو اوپر اٹھانے والے عضلات سکڑتے ہیں۔ موخر الذکر گراری دار ترتیب میں ہوتے ہیں تاکہ Humerus اور بازو کے نیچے ہونے کے باوجود انہیں اٹھا سکیں Humerus Bone بازو کو چڑیا کے جسم سے جوڑتے ہیں۔ نیچے اترنے کے دوران پروں کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ نیچے لے جانے والے عضلات سکڑتے ہیں اور اوپر لے جانے والے عضلات پھیلتے ہیں۔ بازوؤں کی مختلف طرح کی بناوٹ سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ کون سی چڑیا کس طرح کی پرواز سب سے اچھی کر سکتی ہے۔ مثلاً بعض چڑیاں کم فاصلے تک تیزی سے اڑ سکتی ہیں تو بعض زیادہ فاصلے تک۔ پرندوں کو قدرت کے کارخانے میں ڈھالے گئے جہاز کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔

پالتو کبوتر پہلے نمونہ کے تحت اڑتے ہیں لیکن ان کی تربیت کے ابتدائی مراحل میں جہاز رانی کے اصول برتے جاتے ہیں جس میں ٹیلی پیتھی اور الفرا ریڈ علامات کی نشاندہی بڑی اہمیت رکھتی ہے اس بات کا علم پہلی بار محققین کو 1950 میں ہوا جب دو جرمن سائنس دانوں نے بتایا کہ چڑیاں جہاز رانی میں سورج سے قطب نما کا کام لیتی ہیں۔

اڑنے کی اس خداداد صلاحیت کے علاوہ ان میں دوسری حیرت ناک صلاحیت ہے موسم اور حالات کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کرنے کی۔ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں سائبیریائی چڑیاں دہلی کے آس پاس کے علاقوں میں آتی ہیں۔

امسال چھ سو سارسوں کا ایک غول معمول سے پہلے یہاں آگیا اور یہ پرندوں کی نفسیات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاصی اہم بات تھی۔ پرندوں کی موسمیاتی آمد و رفت کے مسلسل عمل کے باوجود اس ماحولیاتی مظہر کو ایک طرف پاکستان اور افغانستان میں شکاریوں کی سرگرمی اور جنگ نے متاثر کیا ہے تو دوسری جانب ہندوستان میں پرندوں کے سرمائی افزائشی مقامات پر آبی ذخائر کی کمی نے بھی اس عمل میں رکاوٹ ڈالی ہے۔ عین ممکن ہے کہ بھرت پور کی پرندہ گاہ گذشتہ سال اسی انسانی مداخلت کی بنا پر سائبیریائی چڑیوں سے خالی رہ گئی ہو۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ چڑیاں ہجرت کرتی ہیں لیکن اس کے میکانزم تک انسانی ذہن کی رسائی کم ہی ہو سکتی ہے قطب شمالی کا بحری پرندہ کری ہر سال سب سے زیادہ فاصلہ طے کرنے میں سرفہرست ہے۔ یہ قطب شمالی کے سرمائی افزائش مقام ساحل انٹار کٹکا کے سرمائی افزائش مقام کی طرف ہجرت کرتا ہے ایک اور بحری پرندہ "شیرواٹر" پوری پابندی سے ہر سال سردی کا موسم شمالی اٹلانٹک کے ساحلی علاقوں میں گزارتا ہے اور باقی دنوں میں انڈے دینے کے لئے جنوبی اٹلانٹک آتش فشانی جزیروں میں چلا جاتا ہے۔ نیوزی لینڈ کی برونز گکو غیر مہاجر نسل کے پرندے کے گھونسلے میں انڈے دیتی ہے اور اس کے بعد تین ہزار کلو میٹر دور سمندر پار ملانیسی جزیروں میں چلی جاتی ہے۔

اس طرح کی متعدد مثالیں سائنسدانوں اور علم طیور کے ماہرین کی حیرت کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ ان سے پیدا ہونے والے بعض بنیادی سوالات یہ ہیں کہ چڑیاں ہجرت کیوں کرتی ہیں۔ انہیں کیسے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کب کرنی ہے اور کہاں اور کیسے جانا ہے۔ ان کی نقل و حرکت کے تین نمونے عام طور پر پائے جاتے ہیں مختصر فاصلے پر واقع دو مانوس مقامات کے درمیان آمد و رفت جس کے لئے کسی طویل تربیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کسی مخصوص مقام سے دوسرے مقام کی طرف اڑنے کے لئے سمت کا تعین کرنا اور اس کے فاصلے کا اندازہ لگانا کسی ایک سمت میں اڑنا۔ پالتو کبوتر پہلے نمونہ کے تحت اڑتے ہیں لیکن ان کی تربیت کے ابتدائی مراحل میں جہاز رانی کے اصول برتے جاتے ہیں جس میں ٹیلی پیتھی اور الفرا ریڈ علامات کی نشاندہی بڑی اہمیت رکھتی ہے اس بات کا علم پہلی بار محققین کو 1950 میں ہوا جب دو جرمن سائنس دانوں نے بتایا کہ چڑیاں جہاز رانی میں سورج سے قطب نما کا کام لیتی ہیں لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آسمان اگر بادلوں سے ڈھکا ہوا ہو تو؟ آگے چل کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہجرت کرنے والے پرندوں میں زمین کے میگنیٹک فیلڈ کا پتہ چلا لینے کی ایک فطری حس ہوتی ہے کیونکہ ان کے دماغ کی ساخت میں میگنٹو ریسیپٹر ہوتے ہیں۔

اس دلچسپ موضوع پر دو قابل ذکر تصانیف ہیں ٹیڈ جیرارڈ کی "نیوی گیشن آف برڈز" اور رومن بیکر کی "دی ایوولیوشنری اکولوجی آف اینمل مائیگریشن"۔ موخر الذکر میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ چڑیوں کی طویل مسافتی پرواز بھی پائلٹنگ کے اصول کے تحت ہی ہوتی ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی ہجرت کے راستے متعین ہیں لیکن پھر بھی وہ اکثر اس سے ہٹ کر نئے راستے اختیار کر لیتی ہیں۔ اس سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پرندے بعض ہوائی یا دیگر نشانات کی شناخت کر سکتے ہیں جس سے انہیں اپنا راستہ بدلنے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے اس امر کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ چڑیاں معمولی مضافاتی تفصیلات کو یاد رکھنے کے صلاحیت کی حامل ہونے کے ساتھ خوشبو اور آواز کے اشارے بھی سمجھتی ہیں۔ غرض کہ ان کی رہنمائی میں بہت سے اختیاری عوامل کارفرما ہیں۔ اگر ایک عاملہ کسی طور پر ناکام ہو جائے تو دوسرے کو فوراً بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ متبادل ذرائع کا استعمال پرندوں کی فیصلہ سازانہ صلاحیت کی بھی دلالت کرتی ہے اور یہی متبادل پسندی پرندوں کی ہجرت سے متعلق نظریات کو استحکام بخشنے میں بھی ملنع ہے۔

نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پرندے بعض ہوائی یا دیگر نشانات کی شناخت کر سکتے ہیں جس سے انہیں اپنا راستہ بدلنے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے اس امر کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ چڑیاں معمولی مضافاتی تفصیلات کو یاد رکھنے کے صلاحیت کی حامل ہونے کے ساتھ خوشبو اور آواز کے اشارے بھی سمجھتی ہیں۔

کیمرے کا موجد مسلم سائنس داں حسن بن ہیثم

کیمرہ یا روزن دار کالا صندوق مسلمان سائنس داں ابن ہیثم (پیدائش 965ء) نے ایجاد کیا تھا اس ایجاد کے پیچھے ایک کہانی بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بصریات کے ماہر ابن الہیثم جب بصرہ میں مقیم تھے تو لوگوں کی زبانی انہوں نے شہر کے کسی حصے میں ایک ویران مکان کے بارے میں سنا جو بھوت گھر کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کوئی شخص اس گھر میں داخل ہوتا تو اسے دیوار کے اوپر لوگوں کی تصویریں حرکت کرتی ہوئی نظر آتی تھیں اس طرح سے کہ وہ تصویریں چھوٹی اور الٹی ہوتیں جو دیکھنے والوں کو دم بخود کر دیتی تھیں۔ ابن الہیثم نے بھی اس گھر کو دیکھا اور جو منظر وہاں کا تھا اس پر تجربہ اور چھان بین کی ابتداء کی۔ آخر یہ بات واضح ہوئی کہ گھر اور سڑک کے درمیان حائل دیوار میں ایک بہت ہی چھوٹا سا سوراخ ہے۔ اگر دیوار سے مخصوص دوری سے کسی شخص کا گزر ہو تو دوسری دیوار پر اسے چھوٹی اور الٹی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ اس کے بعد اپنے سائنسی نظریے کی تصدیق و تائید کے لئے ابن الہیثم نے اسی انداز کا ایک کیمرہ اپنے گھر میں بنایا اور دیوار کے اندر کے سوراخ کے حجم اور سوراخ اور اس دیوار کی درمیانی مسافت پر مستقل تجربہ کرنے لگے جس پر آنے جانے والے لوگوں کا عکس پڑتا تھا۔ کچھ دنوں میں ان کی بھوت گھر کے مقابلے میں زیادہ صاف تصویریں دیوار پر دکھائی دینے لگیں۔

ابن الہیثم نے بھی اس گھر کو دیکھا اور جو منظر وہاں کا تھا اس پر تجربہ اور چھان بین کی ابتداء کی۔ آخر یہ بات واضح ہوئی کہ گھر اور سڑک کے درمیان حائل دیوار میں ایک بہت ہی چھوٹا سا سوراخ ہے۔ اگر دیوار سے مخصوص دوری سے کسی شخص کا گزر ہو تو دوسری دیوار پر اسے چھوٹی اور الٹی تصویر دکھائی دیتی ہے۔

کئی سال گزر گئے اور ابن الہیثم قاہرہ میں رہنے لگے اس دوران ان کے سائنسی تجربات میں بھی خاصی ترقی آچکی تھی۔ اب انہوں نے بھوت گھر والے فارمولے کو مختصر سے صندوق کی شکل دینے کا ارادہ کیا تاکہ جب بھی کہیں جانا ہو تو اسے اپنے ساتھ لے جا سکیں۔ ان کے تصور میں یہ ایک ایسا صندوق تھا جس پر اندر سے کالا رنگ چڑھایا گیا ہو۔ صندوق کے ایک طرف انہوں نے چھوٹا سا سوراخ بنا کر سوراخ کے مقابل دیوار پر صیقل شدہ شیشے کی پٹی رکھ دی۔ جب یہ صندوق انہوں نے جامعہ ازہر میں اپنے شاگردوں کے سامنے رکھا تو شیشے پر انہیں ایسی مختصر اور الٹی تصویریں صاف دکھائی دیتی تھیں جن سے ڈر بھی لگتا تھا اور ہنسی بھی آتی تھی۔

ابن الہیثم نے اپنی ایجاد کو بعد میں اور بھی بہتر شکل دی۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے چشمے میں پہلی بار محدب شیشے کا استعمال کیا اور اسی محدب شیشے کو کیمرے میں بھی استعمال کیا۔ اس لحاظ سے اسے تاریخ انسانی میں کیمرے کا موجد بھی کہا جاسکتا ہے جس کی تحقیق کے بغیر کیمرے کے نام سے دنیا واقف نہ ہو پاتی بلکہ اسے روزن دار کالا صندوق ہی کہتی۔

ابن الہیثم نے اپنی ایجاد کو بعد میں اور بھی بہتر شکل دی۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے چشمے میں پہلی بار محدب شیشے کا استعمال کیا اور اسی محدب شیشے کو کیمرے میں بھی استعمال کیا۔ اس لحاظ سے اسے تاریخ انسانی میں کیمرے کا موجد بھی کہا جاسکتا ہے جس کی تحقیق کے بغیر کیمرے کے نام سے دنیا واقف نہ ہو پاتی بلکہ اسے روزن دار کالا صندوق ہی کہتی۔

لبرلائزیشن کی پالیسی نے مصر میں غریبوں کی لمبی چوڑی فوج کھڑی کردی

پروفیسر سولیون کی نظر میں مصر کی اسلامی رضاکار تنظیموں کا وجود جمہوری اقدار کے فروغ کے لئے ضروری

تقریبا بیس سال قبل مصر نے مارکیٹ اکنامی یا اکنامی لبرلائزیشن کا سفر شروع کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ معاشیات پر ریاست کا کنٹرول کم سے کم کر دیا جائے تاکہ دوسرے ممالک کے سرکاری، نیم سرکاری اور نجی ادارے مصر میں اپنا سرمایہ لگانے کے لئے آمادہ ہوسکیں۔ آغاز کے چند سالوں میں اس سمت میں کم ہی پیش رفت ہوئی۔ مگر 1988 کے بعد انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ کے دباؤ کی وجہ سے مصر نے فی الواقع لبرلائزیشن کی طرف توجہ دی، اس پالیسی کے تحت مصری حکومت نے دھیرے دھیرے بعض بنیادی سہولتیں اور رعایتیں ختم کرنی شروع کردیں، اور آج صورتحال یہ ہے کہ ملک میں غرباء کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ لبرلائزیشن نے ایک خاص طبقے کو فائدہ ضرور پہونچایا ہے مگر اکثریت غریب سے غریب تر ہوتی جارہی ہے مصری بازار باہر کے سامانوں سے بھرے پڑے ہیں مگر یہ سب اکثریت کی قوت خرید سے بالاتر ہیں۔ لبرلائزیشن نے مصر کو صرف ایک ہی تحفہ دیا ہے یعنی غریبوں کی ایک لمبی چوڑی فوج۔

مصر میں فری مارکیٹ کا تجربہ بڑی حد تک ناکام ہوچکا ہے، امیروں کا ایک نیا طبقہ جو ملٹی نیشنل کمپنیوں کی نمائندگی کرتا ہے ضرور وجود میں آگیا ہے۔ مگر ان کمپنیوں نے غریبوں کی ترقی کے لئے کچھ نہیں کیا۔ سچائی یہ ہے کہ غریبوں کی ترقی کی ذمہ داری تقریبا ان چودہ ہزار رضاکار تنظیموں کے کاندھوں پر آپڑی ہے جو پورے مصر میں سرگرم عمل ہیں ان تنظیموں میں سے اکثر بیرونی سرمائے کے بل بوتے پر چل رہی ہیں، کچھ لوگ ان تنظیموں میں سے بعض کو شبے کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

> لبرلائزیشن نے ایک خاص طبقے کو فائدہ ضرور پہونچایا ہے مگر اکثریت غریب سے غریب تر ہوتی جارہی ہے مصری بازار باہر کے سامانوں سے بھرے پڑے ہیں مگر یہ سب اکثریت کی قوت خرید سے بالا تر ہیں۔ لبرلائزیشن نے مصر کو صرف ایک ہی تحفہ دیا ہے یعنی غریبوں کی ایک لمبی چوڑی فوج۔

زیر تبصرہ کتاب میں پروفیسر ڈینس سولیون نے ایسی ہی بعض رضاکار تنظیموں کا مطالعہ کیا ہے۔ پروفیسر سولیون نے رضاکار تنظیموں کے ساتھ مصر کے تاجروں کی اس تنظیم کا بھی مطالعہ کیا ہے جو تجارت پیشہ طبقے کے مفادات کی نگہبانی کے ساتھ ساتھ ملک میں نجی سرمایہ کاری کی بھی حامی ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ ساری تنظیمیں ایسی ہیں جو چھوٹے پیمانے پر صحت عامہ اور تعلیم و تربیت کے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔

پروفیسر سولیون کا مقصد یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ رضاکار تنظیمیں ایک ایسی ترقی کی بنیاد ڈالنے میں مدد دے سکتی ہیں جسے قائم و برقرار رکھا جاسکتا ہو۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ اسلام کا اثر کتنا ہے اور یہ کہ کیا یہ تنظیمیں مصری ریاست کے لئے ایک چیلنج ہیں۔

پروفیسر سولیون اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ رضاکار تنظیموں میں بعض ایسی ہیں جنہیں صحیح معنوں میں غیر حکومتی تنظیم (N.G.O) نان گورنمنٹ آرگنائزیشن نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ تقریبا ایک چوتھائی تعداد وزارت برائے سماجی بہبود سے وابستہ ہے اور کمیٹی ڈیولپمنٹ ایسوسی ایشن کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ ایسی ساری تنظیموں پر حکومت کا کنٹرول ہے اور ان میں سے بعض کے سربراہ تو باقاعدہ حکومت کے افسران ہیں۔ وزارت برائے سماجی بہبود سے وابستہ تنظیموں میں سے اکثر اس لئے قائم کی گئی ہیں تاکہ کسی ایسے علاقے میں کوئی اسکول کھولا جاسکے جہاں کے لوگ سرکاری اسکول کے معیار سے مطمئن نہیں ہیں۔

آزاد تنظیموں پر بھی حکومت کڑی نظر رکھتی ہے۔ اگر حکومت کسی رضاکار تنظیم کے مقاصد سے اتفاق نہیں کرتی یا اس کی سرگرمیوں کو اپنے لئے خطرناک تصور کرتی ہے تو اسے جابرانہ انداز میں بند کردیتی ہے۔ ایسی ہی ایک تنظیم کے تحت مصری حکومت نے مصری تنظیم برائے حقوق انسانی کو ابھی تک 1987 سے تسلیم نہیں کیا ہے۔

پروفیسر سولیون نے مصری حکومت کی ان کوششوں پر سخت تنقید کی ہے جو اب تک غربت کے خاتمے کے لئے کی گئی ہیں۔ سولیون کی رائے میں یہ ساری کوششیں اس لئے ناکام ہو جاتی ہیں کہ بیورو کریسی ہر موڑ پر طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر غیر ملکی یا بین الاقوامی امدادی ایجنسیوں کو براہ راست رضاکار تنظیموں کو زر تعاون دینے کی اجازت ہو تو اس سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ مگر وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسی کسی بھی کوشش سے مصری ریاست اور حکومت کا وقار مجروح ہوگا جو پہلے ہی کافی گرا ہوا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثر مصری اپنی حکومت پر اعتماد نہیں کرتے اور سرکاری افسران کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر رضاکار تنظیمیں براہ راست بین الاقوامی اداروں سے امدادی رقمیں حاصل کرنے لگیں تو اس سے حکومت کے خلاف لوگوں کے جذبات مزید بھڑکیں گے کیونکہ ایسی صورت میں حکومت کے پاس غریبوں کی ترقی کے نام پر کوئی کام کرنے کو ہوگا ہی نہیں۔ چنانچہ حکومت ہر حال میں ان نیم سرکاری و آزاد رضاکار تنظیموں پر اپنا کنٹرول قائم رکھنا چاہتی ہے۔

> سچ تو یہ ہے کہ اکثر مصری اپنی حکومت پر اعتماد نہیں کرتے اور سرکاری افسران کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر رضاکار تنظیمیں براہ راست بین الاقوامی اداروں سے امدادی رقمیں حاصل کرنے لگیں تو اس سے حکومت کے خلاف لوگوں کے جذبات مزید بھڑکیں گے کیونکہ ایسی صورت میں حکومت کے پاس غریبوں کی ترقی کے نام پر کوئی کام کرنے کو ہوگا ہی نہیں۔

پروفیسر سولیون نے امریکی امداد کے بارے میں سوالات اٹھائے ہیں۔ ان کے بقول اس امداد کا اچھا خاصا حصہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام پر خرچ ہو رہا ہے جس سے کرپٹ افسروں نے بے حد و حساب فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ اس بات کے بھی شاکی ہیں کہ امریکی امداد ضرور دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ وہ اپنے سامانوں کی خرید پر بھی اصرار کرتے ہیں۔ سولیون اس بات کی بھی تنقید کرتے ہیں کہ فیصلے جمہوری اصولوں کی بنیاد پر نہیں ہوتے ہیں بلکہ کرپٹ مصری حکام اور امریکی امداد کے ذمہ داران ہی یہ طے کرتے ہیں کہ امدادی رقوم کس طرح خرچ کی جائیں۔

پروفیسر سولیون نے اسلامی رضاکار تنظیموں کی اپنی کتاب میں کافی تعریف کی ہے۔ ان کے خیال میں مصر میں جمہوری اقدار کے فروغ کے لئے یہ اسلامی ادارے ضروری ہیں۔ نیز ان اسلامی تنظیموں نے ترقی کے معاملے میں بڑا مثبت رول ادا کیا ہے۔ پروفیسر سولیون نے ایک ایسی بات بھی کہی ہے جس سے اکثر لوگ خصوصا مغرب میں شاید اتفاق نہ کریں یعنی یہ کہ اسلامی تنظیمیں "مغربی مفادات" کے لئے خطرہ نہیں ہیں بلکہ وہ انہیں فروغ دینے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ پروفیسر سولیون کی یہ رائے بہت صحیح ہے اگر "مغربی مفادات" سے انکی مراد تیسری دنیا میں تعلیم کا فروغ، صحت عامہ میں بہتری اور غربت کا خاتمہ وغیرہ ہیں۔

Private Voluntary
Organizations in Egypt
Islamic Development,
Private Initiative
and State Control
by Denis J. Sullivan,
U.S.A., 1994, £ 27

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد بھی اسرائیل امریکہ کے لئے اہم کیوں

مغرب میں مقبولیت کی حصولیابی کے لئے کیمائیل منصور بھی دوسرے قلم کاروں کے نقش قدم پر

امریکہ واسرائیل کے گہرے تعلقات سب پر عیاں ہیں، بہت سے اہل قلم نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کتابوں سے اکثر افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یعنی یا تو بہت زیادہ اسرائیل کے حق میں یا پھر عرب نقطہ نظر کی حمایت میں۔ لیکن اکثر مغربی مصنفین نے یا تو عرب نقطہ نظر کو سمجھا نہیں ہے یا پھر جان بوجھ کر اسے غلط انداز سے اور مسخ کرکے پیش کیا ہے، بد قسمتی سے اب اسی قماش کے اہل قلم خود عربوں کی صفوں سے بھی ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔ مغرب میں مقبولیت کی خاطر اب یہ حضرات ضرورت سے زیادہ لبرل بننے کی فکر میں ہیں اور ایسی باتیں سامنے لارہے ہیں جن سے ان کی معروضیت" کی وضاحت ہوتی ہو۔

> اول یہ کہ امریکہ کی حد سے بڑھی ہوئی اسرائیل نوازی کی وجہ یہ ہے کہ مغربی ایشیا میں فوجی اعتبار سے یہ یہودی ریاست امریکہ کے لئے بڑی اہم ہے۔ دوسرے لفظوں میں امریکہ اسرائیل کی حمایت اس لئے کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ مغربی ایشیا میں اپنے اثرات کو بڑھانا چاہتا ہے۔

کیمائیل منصور کی زیر تبصرہ کتاب بھی اہل مغرب کی نظر میں غیر جانبدار اسکالر بننے کی ایک کوشش ہے۔ مصنف نے ایک ایسا موضوع منتخب کیا ہے جس پر پہلے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، ایسی ساری کوششیں کچھ اس طرح کے سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے کی گئیں جن کا تعلق بہت زیادہ اسرائیل نواز امریکی خارجہ پالیسی سے ہے۔ منصور نے بھی بنیادی طور پر یہی سوال اٹھایا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ پچھلی تقریبا نصف صدی سے امریکہ اسرائیل کی اندھی حمایت کرتا رہا ہے، بہت سارے اہل قلم نے منصور سے پہلے ہی اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ان ساری کوششوں کو دو واضح خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

اول یہ کہ امریکہ کی حد سے بڑھی ہوئی اسرائیل نوازی کی وجہ یہ ہے کہ مغربی ایشیا میں فوجی اعتبار سے یہ یہودی ریاست امریکہ کے لئے بڑی اہم ہے۔ دوسرے لفظوں میں امریکہ اسرائیل کی حمایت اس لئے کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ مغربی ایشیا میں اپنے اثرات کو بڑھانا چاہتا ہے۔

> انہوں نے اسرائیل نوازوں کو ایک ایسا ہتھیار دے دیا ہے جس سے وہ ان عرب وغیر عرب اہل قلم کا مقابلہ کرسکتے ہیں جو امریکہ واسرائیل کے خصوصی تعلقات کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ یہ مغربی ایشیا میں امریکی سازش کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کا ایک حصہ ہے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ امریکہ کی اسرائیل نوازی اور حمایت کے اسباب امریکہ کی داخلی سیاست میں پائے جاتے ہیں یعنی بعض داخلی عوامل مثلا یہودی لابی، یہودی ووٹ اور مشترکہ اقدار وغیرہ دراصل امریکی ایڈمنسٹریشن کو اسرائیل کی حمایت پر مجبور کرتے ہیں۔

کیمائیل منصور نے پچھلے 45 سالوں کے ریکارڈ کا مطالعہ کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امریکہ کی اسرائیل نوازی دراصل ثقافتی ونظریاتی بنیاد پر زیادہ ہے بہ نسبت کسی اور وجہ کے۔ منصور نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ نیا نہیں ہے بہت سے اہل قلم جن کا واضح جھکاؤ اسرائیل کی طرف ہے پہلے ہی یہ نتیجہ دلائل کے ساتھ پیش کرچکے ہیں۔ مغرب کی نگاہ میں منصور بہت مقبول ہوجائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اسرائیل نوازوں کو ایک ایسا ہتھیار دے دیا ہے جس سے وہ ان عرب وغیر عرب اہل قلم کا مقابلہ کرسکتے ہیں جو امریکہ واسرائیل کے خصوصی تعلقات کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ یہ مغربی ایشیا میں امریکی سازش کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کا ایک حصہ ہے۔

بہر حال منصور نے ایک بات ایسی کہی ہے کہ جس سے پورے طور پر اتفاق کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ سرد جنگ کے خاتمے کے باوجود امریکہ کی نظر میں اسرائیل کی اہمیت کم نہیں ہوئی ہے۔

Beyond Alliance :
Israel and Foreign
Policy
By : Camille Mansour,
New York,
1994, Price : $ 37.50

Invitation Price Rs. 4/-
1 - 15 March, 1995

The Milli Times International
(India's first International Urdu Weekly)
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

ننھے علی کا فرانسیسی صدر کو چیلنج

ننھے علی کو اپنے چھوٹے سے پستول پر بڑا فخر ہے۔ دشمن خواہ دور ہو یا نزدیک، سامنے ہو یا پیچھے اسے مفروضہ دشمن پر فائر کرنا بڑا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ علی کے دوسرے دوست احباب بھی اس کے بے خطانشانے کے قائل ہیں۔ معصوم علی کی ابھی عمر ہی کیا ہوگی یہی کوئی نو، دس سال۔ ابھی تو اس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے لیکن بوسنیا میں گذشتہ تین سالوں سے جاری مسلم کش جنگوں نے علی کے بچپن کے سارے خواب چھین لئے ہیں۔ زمانہ ہوا اسکول بند ہیں اور سراجیو میں ہر وقت دھماکہ خیز مادوں کی بارش سے روح کانپتی ہے۔ رات ہوتے ہی توپوں کی گھن گرج بڑھ جاتی ہے۔ وہ اب اپنے دوستوں کے ساتھ گلی کوچوں میں بے خطر نہیں نکل سکتا کہ اب اس کا اور اس کی عمر کے دوسرے بچوں کا محبوب مشغلہ جنگ میں ڈوبے ہوئے ماحول میں زندہ رہنے کا فن سیکھنا ہے۔

زمانہ ہوا علی کے ہونٹوں سے طفلانہ مسکراہٹ غائب ہو گئی، بچپن کی شرارتوں کی جگہ سنجیدگی اور بردباری نے لے لی۔ پہلے تو اسے سمجھ میں کم کم آتا کہ آخر اسے، اس کے خاندان، اور اس کے ملک کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے پر لوگ کیوں درپے ہیں۔ ابتدائی دنوں میں اس کے معصوم سوالات کے جوابات کسی کے پاس نہ ہوتے تھے کہ آخر دنیا بھر میں انسانی حقوق کی تنظیمیں ہماری مدد کو کیوں نہیں آتیں۔ اور ان دنوں جب سراجیو پر گولہ باری کی ابتدا ہوئی تھی اور پہلی ہی رات اس کے ڈرائنگ روم سے بالکل متصل ایک بم آکر پھٹا تھا تو اس نے اپنی ماں سے ٹیلی ویژن دیکھنے کے دوران ہی یہ دریافت کیا تھا کہ ای اقوام متحدہ کے لوگ امن کے قیام کے لئے کب تک آئیں گے۔ اور پھر جب جنگ نے شدت اختیار کرلی اور کھانے پینے کی قلت کی وجہ سے جب لوگوں نے درختوں کے پتے چبانے شروع کئے اور اقوام متحدہ کے امدادی قافلے کے آنے کے امکانات ختم ہو گئے تو ننھا علی اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے باغ سے نرم گھاس اکٹھا کر کے پڑوس میں پہنچانے لگا کہ جنگ میں گھرے ہوئے بوسنیائی مسلمانوں کے کھانے کے لئے نرم گھاس کا ملنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔

لیکن اب تین سال کی مدت میں معصوم علی کے اندر ایک مجاہد اور مدبر جنم لے چکا ہے۔ اسے نہ تو اقوام متحدہ سے کوئی امید ہے اور نہ ہی دنیا بھر میں انسانی حقوق کا واویلا کرنے والے لوگوں پر کوئی تکیہ ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ آج پوری دنیا اسلام کی عظیم روحانی قوت سے خائف اس کے علمبرداروں کو ہر طرح سے کچل دینا چاہتی ہے۔ جب وہ دوستوں میں عالمی مسائل پر گفتگو کرتا ہے تو فرانسیسی صدر کے اس جملے پر اس کی بھنویں تن جاتی ہیں جس میں انہوں نے کہا تھا کہ یوروپ کے عین قلب میں ہم اسلامی مملکت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ علی کے ٹھہرے ہوئے لہجے میں ایک عجیب وقار ہے اور جب وہ گفتگو کرتے ہوئے اپنا چھوٹا سا پستول ہوا میں لہراتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ اپنے چھوٹے سے پستول سے فرانس کے صدر متراں کو چیلنج دے رہا ہو۔

نہ تو علی سراجیو میں تنہا ہے اور نہ ہی دنیا بھر میں صرف بوسنیا واحد ملک ہے جہاں مسلمانوں پر شب و روز تنگ کر دیئے گئے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمانوں کا لہو ارزاں ہے اور کفر کی عالمی قوت ہر قیمت پر اسلام کی عالمی تحریک کو کچل دینا چاہتی ہے لیکن وہ اس صورت حال سے بھی بوکھلاہٹ کا شکار ہے کہ نہ جانے امت کے خاکستر میں کون سی چنگاری ہے جو اس کے معصوم نونہالوں کو ایک ناقابل شکست قوت میں تبدیل کئے دیتی ہے۔ آج اگر اسلام کے عالمی غلبے کی کوئی روشن امید بندھتی ہے تو وہ علی کی نسل سے وابستہ معصوم مجاہدین سے ہے جس کی کھیپ کی کھیپ پوری دنیا میں بڑی تیزی کے ساتھ پیدا ہو رہی ہے۔

علی کے چہرے پر طاری اس معصوم مسکراہٹ کا مغرب کے لئے سمجھنا سخت مشکل ہے اسے کیا پتہ کہ یہ مسکراہٹ ہر شہادت کے آرزومند کی پہچان ہے۔ بقول عرب شاعر

اذا بلغ الفطام لنا صبی تخر له الجبابر ساجدینا

(جب ہمارے بچے شیر خوارگی کی مدت کے اختتام کو پہنچتے ہیں
تو ان کے سامنے بڑے بڑے سورما سجدہ ریز ہو جاتے ہیں)